

انسپکٹر جمشید ٹیم، انسپکٹر کامران مرزا ٹیم اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

جیرالڈ تین

Download Ishtiaq Ahmed New Or Old Novels From These Links

<https://www.facebook.com/Ishtiaq.Ahmed.Novels>

<http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com>



Atlantis
Publications

اشتیاق احمد

دوباتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! یہ جیرال تین ہے، ایک بار پھر آپ جیرال کا نام سن چکا کہ جیرال تین ہوئے ہوں گے... اس لیے کہ جیرال تو پہلا جزیے کا سندھ میں انیکلو ہمشید کے ہاتھوں مارا گیا تھا... جزیے کا سندھ میں مارے جانے کے باوجود ایک بار پھر سو فیصد جیرال میں واپس آ گیا تھا... کیسے آ گیا تھا، اس وقت اس بات کی وضاحت کر دی گئی تھی... اور پھر بیک ہول میں اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا... لیکن شاید آپ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک بار پھر جیرال آدھکے کا سی ہاں! آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جیرال پھر آ گیا ہے... اس کا جواب بھی آپ کو اس ناول میں مل جائے گا... بچا نہیں... اب آپ جیرال کے مزید ناول بھی پڑھ سکیں گے۔ جہاں تک اس ناول کا تعلق ہے... یہ ایک بار پھر جیوں پارٹیوں پر چلا گیا ہے... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شروع ہی شکی ہزاروں سے ہوا ہے... جیرال کو پہلے شکی کے گمراہ بنا دیا گیا... سوال یہ ہے کہ کیوں... ناول پڑھنا شروع کر دیں آپ کو اپنے کیوں کا جواب مل جائے گا۔

”یہ ناول 26 تاریخ کو شروع کیا تھا... دیگر مصروفیات کی وجہ سے اب میں ناول ایک ماہ میں مکمل کر پاتا ہوں... جیذا اس کے بارے میں خیال تھا کہ ایک ماہ بعد 25 تاریخ کو مکمل ہو جائے گا... پھر ناول کی رفتار یک دم تیز ہو گئی اور نظر آنے لگا کہ یہ تو صرف چند دن میں مکمل ہو جائے گا... لیکن ابھی اس پر کام شروع ہوئے تقریباً دس دن ہی ہوئے تھے کہ میری

جیرال تین

آئندہ ماہ کا ناول

بے تکی وارداتیں

گذشتہ اشاعت کا ناول

چاند کی لاش

اٹلانٹس پبلیکیشنز

A-36 ایسٹرن اسٹوڈیو، B-16 سائٹ، کراچی

0300-2472238, 32578273, 34228050

e-mail: ishtiaqahmed@cyber.net.pk

w <http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com/>

جبرال کا بھوت

رفت کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

فرش پر جوتے کا کچڑ بھرا نشان اس کے لیے سنسنی خیز تھا۔ اس وقت وہ گھر میں بالکل اکیلی تھی۔ گھر کے افراد ایک شادی میں شرکت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ ابھی دو تین منٹ پہلے ہی وہ صحن سے گزر کر اندرونی کمرے میں گئی تھی۔ اس وقت یہ نشان نہیں تھا... وہ وہاں سے لوٹی تو نشان موجود تھا... اسے اپنے روٹنے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے... سانس میں تیزی آگئی۔ پیشانی پیچھے سے جھکنے لگی۔ کچڑ بھرے جوتوں کا نشان جبرال کی علامت تھا۔ لیکن ایسا ضروری تو نہیں تھا کہ جہاں بھی کچڑ بھرے پاؤں کا نشان نظر آئے تو وہ جبرال ہی کا ہو۔

جبرال کے بارے میں جو باتیں انہوں نے محمود، فاروق اور فرزاد سے سنی تھیں، ان میں یہ بات بہت نمایاں تھی کہ زندگی میں پہلی بار جب جبرال ان کے گھر میں داخل ہوا تھا (موت کا جزیرہ پڑھیں)

ایک پوتی اچانک تیار ہو گئی۔ اس پر تمام کام دھڑے کے دھڑے رہ گئے اور صرف اس کی فکر پڑ گئی۔ ڈاکٹر حضرات سے چیک کرایا تو انہوں نے لاہور چلڈرن کینیکس لے جانے کے لیے کہا۔ وہاں لے گئے۔ بچوں کے دماغ کے امراض کے ماہر نے بچی کو چیک کیا اور بتایا کہ بچی کے سر میں پانی وتر آیا ہے... آپریشن کرنا ہوگا۔ 31 تاریخ کو صبح نو بجے لے آئیں... یہ خبر اور زیادہ پریشان کن تھی... اور بچی کی حالت سنہیل ہی نہیں رہی تھی... ان حالات میں ناول پر کام بالکل نہیں کیا جاسکا... اس طرح تقریباً تین دن گزر گئے... 24 تاریخ کو یعنی آپریشن کی تاریخ آنے سے پہلے ہی بچی فوت ہو گئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے تین دن بعد تک کوئی کام نہیں ہو سکا... آخر ناول پر کام دوبارہ شروع کیا... بہر حال کسی نہ کسی طرح ناول مکمل کرنے میں کامیاب ہو گیا... کلمے کا مطلب یہ کہ انسان بالکل بے بس ہے... تمام اختیار اللہ رب العزت کے پاس ہے... ہم سب اسی کے محتاج ہیں... اس پریشانی کی حالت میں یہ ناول مکمل کیا ہے... معلوم نہیں آپ کو پسند بھی آئے گا یا نہیں... پسند آگیا تو ٹھیک... ورنہ آئندہ ناول میں آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا... ہو سکتا ہے، میں اپنی تمام تر کوششوں میں مکمل طور پر ناکام ہو جاؤں... کیونکہ تمام اختیار اللہ رب العزت کے پاس ہے... بندوں کے پاس کچھ بھی نہیں... لہذا انہی دو باتیں پر گزارہ کر لیں۔ ناول کی دو باتیں آئندہ سہی۔ شکر ہے!

والسلام

ششما

خوف محسوس کرتے ہوئے بھی وہ کمرے کی طرف قدم اٹھانے لگی۔ اسے اپنے قدم من من بھر کے محسوس ہو رہے تھے... کمرے کا دروازہ بند نہیں تھا اور وہ شخص ان کے والد کی الماری کے تالے پر جھکا ہوا تھا... عین اسی وقت کلک کی آواز نے اسے ہٹا دیا کہ وہ تالا کھولنے میں کامیاب ہو چکا ہے:

”خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو... ورنہ چھرا پھینک ماروں گی۔“
وہ ذرا بھی نہ چوٹکا، نہ اچھلا، نہ اس کی طرف مڑا... الماری کے پٹ وہ کھول چکا تھا اور اب اس کے اندر رکھی چیزوں کی جلدی جلدی تلاشی لے رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کے جیلے کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ بولی:

”تم نے سنا نہیں... میں نے کیا کہا ہے... میرے ہاتھ میں ایک انتہائی تیز دھار چھرا ہے۔“

اس نے اب بھی کوئی اثر نہ لیا... اب تو رفعت کو غصہ آگیا:
”اچھا تو یہ لو... میں تمہاری طرف پھینک رہی ہوں۔“
ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے چھرے کو نوک کی طرف سے پکڑا اور اس کی طرف کھینچ مارا... چھرا سنسناتا ہوا اس کی طرف گیا... ساتھ ہی اس نے صاف محسوس کیا کہ اس نے اس کی طرف مڑنے کی کوشش

تو گھر میں ان کی والدہ اکیلی تھیں اور انہیں صحن میں ایک کچڑ میں بھرا ہوا پاؤں نظر آیا تھا۔ پھر جب جیرال اپنا کام کر کے جانے لگا تھا تو بیگم جمشید کو باندھ کر اور ان کے صحن کی دیوار پر اپنا نام لکھ کر گیا تھا۔
آج ایسا ہی نشان دیکھ کر وہ خوفزدہ نہ ہوتی تو کیا کرتی...
اچانک اسے خیال آیا کہ جیرال تو اس کی آنکھوں کے سامنے بلیک ہول والے کیس میں رائٹر کی بہن رائوٹا کے ہاتھوں مارا جا چکا تھا... پھر اسے یاد آیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کی آواز انہیں سنائی دیتی رہی تھی اور اس پر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ ساتھ رائوٹا بھی حیران تھی کہ مرنے کے بعد جیرال کی آواز انہیں کیسے سنائی دے رہی تھی۔ رفعت نے سوچا... تو کیا جیرال اس روز مرا نہیں تھا... لیکن اس نے تو اپنی آنکھوں سے اس کی لاش دیکھی تھی...

تو کیا اس کا مطلب تھا کہ نشان کسی اور کے پاؤں کا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ تھا اسی انداز کا۔ اور ان کے گھر کے صحن میں اس نشان کا مطلب تھا کہ وہ شخص اندر ہی کہیں موجود ہے، وہ باورچی خانے کی طرف چل پڑی... یہاں سے اس نے گوشت کاٹنے والا چھرا اٹھایا، پھر وہ واپس صحن میں آئی۔ کچڑ والے جوتوں کے نشان اس کے والد کے کمرے کی طرف جا رہے تھے، وہ اسی کمرے میں تھا... حد درجے

لے جاتا۔“

”اور وہ چیز ہے کیا۔“

”ہاں... مل گئی... یہ رہی ایک چھوٹی سی ڈائری... مجھے حیرت ہے اس شخص کی معلومات پر جس نے یہ بات بتائی کہ ڈائری شوکی برادرز کے والد مشتاق احمد خان کے گھر سے ملے گی اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ ان کی الماری سے ملے گی... اس کا اندازہ بالکل درست نکلا... ڈائری الماری سے مل گئی۔“

”لیکن مسٹر... پتا نہیں کیا نام ہے تمہارا... تم میرے ہوتے ہوئے، میرے گھر سے کوئی چیز نہیں لے جاسکتے... مہربانی کر کے یہ ڈائری واپس دیں رکھ دو... اور ہمارے والدین کے آنے کا انتظار کرو... اگر وہ خود تمہیں ڈائری دے دیں تو اس صورت میں ضرور لے جاتا، میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔“

”میرا نام مسٹر نہیں... جیرال ہے... اور یہ تم بھی جانتی ہو... یہ اور بات ہے کہ تمہارا ذہن اسے ماننے کو تیار نہیں ہے۔“ وہ مسکرایا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ رفعت نے فوراً کہا۔

”کیا ناممکن ہے۔“

”جیرال مرچنکا ہے... بلیک ہول والے معرکے میں میری

اب بھی نہیں کی تھی... بس ذرا سا ترچھا ہو گیا تھا... اس کے اتنا سا ترچھا ہو جانے کی وجہ سے جھرا الماری کے اندرونی حصے میں جا کر لگا۔ اب وہ اس کی طرف مڑا... رفعت کو ایک بار پھر محسوس ہوا کہ وہ جیرال ہی ہے... ساتھ میں وہ مسکرایا... لیکن رفعت نے اس خیال کو دماغ سے جھٹک دیا... بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ جیرال ہو۔

”مجھ پر حملہ کرنے کی غلطی نہ کرو میری بچی رفعت... مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے... کیونکہ تم نے ابھی اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے... پہلو پھولو... کھاد پیو، پیش کرو... میرے ہاتھ سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا... بے فکر رہو... بس مجھے اپنا کام کرنے دو... میں بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا... ہاں انپکڑ جشیہ اور انپکڑ کامران مرزا جیسے بلا تھور اور ذہین دشمن مقابلے پر ہوں تو اپنے ہاتھ دکھاتا ہوں... جو کہا ہے... اس پر پورا اتر دوں گا... بس تم مجھے اپنا کام کرنے دو۔“

”لیکن کیسے کرنے دوں... اس وقت میں گھر میں اکیلی ہوں، گویا گھر کی حفاظت کی ذمہ داری میری ہے... اور تم یہاں سے کچھ لے جانے کے لیے آئے ہو... کسی چیز کی تمہیں تلاش ہے...“

”ابھی بات ہے... اور وہ چیز میں لے جاؤں گا... یہاں تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے... سب لوگ ہوتے، میں تب بھی وہ چیز

آنکھوں کے سامنے اس نے دم توڑا تھا... اور جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے... ابھی تک سائنس اس مقام تک نہیں پہنچی کہ کوئی مردہ آدمی واپس آ سکے..."

"اس میں شک نہیں کہ میں رانوتا کے ہاتھوں مارا گیا تھا... لیکن؟" یہ لیکن کہتے وقت وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔
"لیکن کیا؟"

"چھوڑ رہے دو! کیونکہ اس راز پر پردہ ہی پڑا رہے تو بہتر ہے کہ میں واپس کیسے آ گیا... لیکن اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ مجھے رانوتا نے تم لوگوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے مارا تھا... نہ میں تم لوگوں کیلئے آواز اٹھاتا اور نہ مارا جاتا اور نہ ہی انتشارجہ کے سائنسدانوں کو مجھے واپس لانے کیلئے اربوں ڈالر کے سائنسی تجربات کرنے پڑتے... جو بھی ہو لیکن اب میں ایک بار پھر میدان میں آ گیا ہوں... اور میں تو بس اپنے کام سے کام رکھنا جانتا ہوں... اپنا کام نکالا اور بات ختم... جیسا کہ اب میں یہ ڈائری لے جا رہا ہوں... نہ میں تمہیں کوئی نقصان پہنچاؤں گا... نہ تمہارے بڑوں کو... یہاں تک کہ میرے راستے میں اگر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بھی آ گئے... تب بھی میں ان سے بچا کر اپنا کام نکالنے کی کوشش کروں گا... اور بچ کر نکل جانے

کی پوری کوشش کروں گا... یہ نہیں کہ تم لوگوں کو جان سے مارنا پسند کروں گا... نہیں... میں تم لوگوں کو بہت پسند کرتا ہوں... تم لوگوں کی قدر کرتا ہوں... لیکن کام اپنا اپنا ہے... اپنا کام مجھے کرنا ہے... اور وہ میں کروں گا۔ اس وقت میرے ذمے صرف یہ کام ہے کہ میں یہ ڈائری حاصل کر لوں اور اس شخص تک پہنچا دوں... جسے اس کی ضرورت ہے اور اس نے اس کام کا مجھے ٹھیک ٹھاک معاوضہ دیا ہے..."

"افسوس! اب جیرال یعنی آپ جیسا بڑا بین الاقوامی مجرم ایسے چھوٹے کاموں پر اتر آیا۔" رفعت نے بڑا سامنا بنایا۔

"ارے نہیں... تم غلط سمجھیں... یہ کوئی چھوٹا کام نہیں ہے۔"

"شخص کام چھوٹے نہیں تو کیا بڑے ہوتے ہیں۔"

"جس شخص نے یہ کام میرے ذمے لگایا ہے، کئی حکومتیں اس کے اشاروں پر تاجتبی ہیں... مثلاً اگر وہ انتشارجہ کے صدر کو کوئی حکم دے دے تو اس کی مجال نہیں کہ وہ اس کا حکم نہ مانے... اسی طرح اگر وہ شارجہ کی حکومت کو کوئی حکم دے تو اسے بھی ماننا پڑے گا... اسی طرح سے اور بھی حکومتیں اس کی ہدایات پر عمل کریں گی... تو ایسے شخص کے لیے کام کرنا کوئی چھوٹا کام نہیں۔"

"حیرت ہے... اتنے بڑے شخص کو ایک ایسی ڈائری کی کیا

ضرورت پڑ گئی جو ہم جیسے عام اور چھوٹے لوگوں کے پاس موجود ہے۔“
”یہ ڈائری تمہارے والد تک کیسی پہنچی اور اس میں کیا ہے ... یہ مجھے معلوم نہیں... نہ مجھے اس سے غرض ہے۔“

”جب آپ کو کیسے معلوم ہو سکے گا کہ آپ اصل ڈائری لے جا رہے ہیں یا کوئی اور۔“

”اس ڈائری کے بارے میں مجھے چند نشانیاں بتائی گئی تھیں... میں نے وہ چیک کر لی ہیں... اس لیے ... میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ وہی ہے۔“

”اچھی بات ہے ... لیکن یہ ڈائری ہمارے گھر میں موجود ہے ... ہو سکتا ہے، ہمارے والد صاحب کے پاس کسی نے بطور امانت رکھوائی ہو ... اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ میں یہ آپ کو لے جانے دوں... لہذا آپ یہ ڈائری یہیں رکھ دیں ... میرے والدین اور بھائیوں کو آنے دیں... پھر جو آپ کر سکتے ہیں... آپ کر گزریں گے ... جو ہم سے ہو سکے گا، ہم کر گزریں گے... یہ تو کوئی بہادری نہ ہوئی کہ ایک بین الاقوامی شہرت کا آدمی ایک چھوٹی سی بچی سے کوئی چیز چھین کر لے جائے ... شرم کریں... اتنے بہادر ہیں تو بہادری کی لاج رکھیں... اپنے نام کو تو دھبا نہ لگائیں۔“

جیرال کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس نے ایک تیز نظر رفعت پر ڈالی... اور ڈائری وہیں رکھ دی جہاں سے اٹھائی تھی... پھر کمرے میں موجود ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پر سکون آواز میں اس سے بولا:

”لو! کر لی شرم... اب میں اس وقت تک یہاں بیٹھوں گا جب تک تمہارے گھر کے افراد نہیں آ جاتے... لیکن تم بھی مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرو گی... انہیں خبردار نہیں کرو گی...“

”مجھے منظور ہے۔“ رفعت نے خوش ہو کر کہا... کیونکہ یہ بھی تو اس کی کامیابی تھی کہ اس سے اپنی بات منوالی تھی... بس تو پھر تم بھی یہیں میرے ساتھ کرسی پر بیٹھ جاؤ... بلکہ دو کپ چائے بنا لو تو کیا ہی خوب رہے گا... میرا خیال ہے... تمہیں چائے بنانا تو آتی ہو گی۔“

”ہاں! میں چائے بنا لیتی ہوں... آپ یہیں بیٹھیں...“
”ایسے نہیں... میں باورچی خانے میں تمہارے ساتھ رہوں گا... کیونکہ میں اپنے اصولوں کا پابند ضرور ہوں... لیکن دشمن کی باتوں پر آنکھیں بند کر کے اعتبار نہیں کرتا... باورچی خانے میں ہم دونوں چلیں گے۔“
”اچھی بات ہے۔“

اور پھر دونوں باورچی خانے میں چلے آئے۔ رفعت نے نہایت مہارت اور صفائی سے چائے تیار کی اور دونوں پھر وہیں آگئے... یعنی

ڈاڑھی والے کمرے میں... حیرال نے چائے کی چسکی لی، فوراً ہی اس کے منہ سے نکلا:

"حیرت ہے... کمال ہے۔"

"جی... کس بات پر حیرت ہے، کمال ہے... " رفعت کے

منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"یوں تو میں نے ملکوں ملکوں کی چائے پی ہے... لیکن اس قدر

حرے دار چائے آج تک نہیں پی... یہاں تک کہ میں نے کئی ملکوں

کے صدارتی ملکوں میں بھی چائے پی ہے... دنیا کے بڑے سے بڑے

ہوٹلوں کی چائے پی ہے... لیکن ایسا ذائقہ کبھی محسوس نہیں کیا۔"

"آپ... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں... یہ بس عام سی چائے

ہے... ایسی چائے تو میں گھر میں روز بناتی ہوں۔"

"میں جھوٹی تعریف کرنے کا عادی نہیں... یہ چائے مجھے یاد

رہے گی... اور شاید میں پھر کسی دن صرف چائے پینے آؤں۔"

"یوں تو آپ ہر روز چائے پینے کے لیے آسکتے ہیں، لیکن مشکل

یہ ہے کہ آپ ایک بین الاقوامی مجرم ہیں اور اکثر میرے ملک کے مفاد

کے خلاف کام کرتے ہیں... آج تک آپ نے میرے ملک کیلئے تو کوئی

کام نہیں کیا... ہم دشمن کے گھر پر موجود ہونے کی صورت اسے کھلا پلا تو

سکتے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ آپ کو چائے کی دعوت دی جاتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں... لہذا میں جب بھی آؤں گا، اپنی ذمہ داری

پر آؤں گا... تم سے اسی طرح چائے بنانے کی درخواست کروں گا جیسے

آج کی ہے... یعنی تم چاہو تو مجھے گرفتار کروا دینا۔"

"ویسے مجھے ابھی ابھی خیال آیا ہے کہ آپ تو پیسے لے کر کام

کرتے ہیں... یعنی جو بھی حکومت آپ کی خدمات حاصل کرنا چاہے...

آپ اپنا معاوضہ لے کر اس کیلئے کام کرتے ہیں... تو آپ نے آج

تک ہمارے ملک کیلئے کام کیوں نہیں کیا... " فرحت یہ کہہ کر مسکرائی۔

"اس لئے کہ آج تک تمہاری حکومت کی جانب سے مجھے ایسی

کوئی پیشکش کی ہی نہیں گئی..."

"ہاں! یہ بات تو ہے۔" رفعت مسکرائی۔

عین اسی لمحے دروازے کی کھنٹی کی آواز گونج اٹھی... دونوں

چونک گئے۔ رفعت نے فوراً کہا:

"میں دروازہ کھولتی ہوں۔"

"خبردار!" حیرال غرایا۔

رفعت اس کی غراہٹ سن کر ساکت رہ گئی اور اس کی طرف

سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی:

” دروازہ کھولنے صرف تم نہیں جاؤ گی، میں بھی ساتھ چلوں

گا۔“ وہ مسکرایا۔

” چلیے۔“ رفعت نے کندھے اچکا دیے۔

اب دونوں دروازے پر آگئے... رفعت نے اس کی طرف دیکھا،

جیسے کہہ رہی ہو:

” کیا خیال ہے... کھول دوں دروازہ۔“

اس نے سر کے اشارے سے کہا: ” ہاں!“

رفعت نے ہنسنی گرا دی۔

دروازے پر شوکی برادرز اپنے والدین کے ساتھ کھڑے نظر

آئے۔ ان کی نظریں جیرال پر پڑیں تو آفتاب کے منہ سے لگا:

” یہ کون صاحب ہیں... کوئی کیس لائے ہیں کیا۔“

” یہ خود ہی کیس ہیں۔“ رفعت نے منہ بتایا۔

” ارے ہائیں... یہ... یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں... نن نہیں... یہ

کیسے ممکن ہے۔“

” کیا کیسے ممکن ہے شوکی۔“ اس کے والد مشتاق احمد خان نے

خیران ہو کر پوچھا۔

” شش... شاید میری آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔“ شوکی کی

بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

” کیا مطلب؟“ کئی آوازیں ابھریں۔

” جہاں تک میرا خیال ہے... ان صاحب کی شکل صورت جیرال

سے ملتی جلتی ہے۔“

” ارے باپ رے... یہی خیال مجھے آیا تھا... لہ... لیکن

جیرال تو مر چکا ہے۔“ اشفاق نے گھبرا کر کہا۔

” تب... پھر... یہ صاحب ضرور اس کے بھوت ہیں۔“ مکھن

نے خیال ظاہر کیا۔

” اندر آکر بات کر لیں۔“ جیرال نے منہ بتایا۔

” ارے باپ رے... آواز بھی سو فیصد جیرال کی ہے۔“

” سو فیصد جیرال۔“ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

” کیوں... کیا ہوا۔“

” م... میرا مطلب ہے یہ تو کسی ٹاڈل کا نام ہو سکتا ہے۔“

” دماغ تو نہیں چل گیا۔“ اشفاق جھلا اٹھا۔

” گگ... کیوں... یہ ماہرانہ اندازہ کیسے لگا لیا آپ نے۔“

مکھن نے برا سا منہ بتایا۔

” میرا مطلب ہے... تم فاروق نہیں ہو۔“

”بہت اچھا کیا ... آپ نے یاد دلا دیا ... جہاں تک میرا خیال ہے تم بھی محو نہیں ہو۔“ نکھن نے خوش ہو کر کہا۔

”تمہارا مطلب ہے ... اگر میں یاد نہ دلاتا تو تم خود کو فاروق سمجھ رہے۔“

”گلتا ہے ... آپ لوگ دروازے پر ہی کھڑے رہیں گے۔“
 ”اوہ معاف کیجیے گا انکل جیرال کے بمشکل انکل۔“ شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

”میں جیرال کا بمشکل نہیں ہوں ... جیرال نمبر تین ہوں ... یعنی تیسری بار واپس آیا ہوں۔“

”جج ... جیرال نمبر تین ... یہ نمبر تین کہاں سے نکل آیا۔“
 ”آپ انکل جیرال نمبر تین۔“

”حد ہوگئی! ہم ابھی تک دروازے کے دروازے پر کھڑے ہیں۔“
 ”اوہ سوری ... چلیے پھر اندر چل کر بات کر لیتے ہیں۔“

وہ اندر داخل ہوئے ... مشتاق احمد خان نے ڈرائنگ روم کا رخ کیا ہی تھا کہ جیرال بول اٹھا:

”ادھر نہیں ... آپ کے کمرے میں۔“
 ”کیا مطلب ... وہاں کیوں۔“

”آپ آئیں تو۔“

اور وہ سب اس کمرے میں آگئے ... اس وقت رفعت نے کہا:
 ”یہ آپ کی الماری سے ایک ڈائری لے جانے کے لیے آئے ہیں۔ یہ ڈائری لے کر جانے لگے تو میں نے ان کی غیرت کو لٹکا دیا ... بس اس لئے رک گئے ... ورنہ یہ تو جا چکے تھے۔“

”کیا مطلب؟ ہم سمجھ نہیں۔“
 ”رفعت ... انہیں پوری بات بتا دو۔“ جیرال اکتا گیا۔
 رفعت نے تفصیل دہرا دی ... وہ غور سے سنتے رہے ... آخر اس کے خاموش ہونے پر مشتاق احمد خان نے حیران ہو کر کہا:

”گگ ... کون سی ڈائری۔“
 جیرال نے ڈائری واپس الماری میں رکھ دی تھی ... وہ الماری کی طرف بڑھا ... اس میں سے ڈائری نکال کر اس نے اٹھا کر ان کے سامنے لہرائی ... پھر واپس الماری میں رکھی اور الماری سے دور ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا:

”یہ ... یہ۔“ مشتاق احمد خان مارے حیرت کے بولے۔
 ”ہاں یہ۔“
 ”اوہ ... اوہ۔“ ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکل گیا۔

”کیا ہوا ابا جان۔“

”یہ... یہ ڈائری... اس کی کہانی بہت عجیب ہے۔“

”کک... کہانی... کیا مطلب؟“

ان سب کے منہ سے نکلا... یہاں تک کہ ان کی آواز میں حیرال
کی آواز بھی شامل تھی:

☆☆☆☆☆

ڈائری والا

سب کی نظریں مشتاق احمد خان پر جم گئیں... وہ سب اس
ڈائری کی کہانی کو جلد از جلد جان لینا چاہتے تھے، اور مشتاق احمد خان
خاموش تھے:

”آپ کہانی شروع کریں نا۔“

”میں سوچ رہا ہوں... مسٹر حیرال ڈائری لینے کے لیے آچکے
ہیں اور یہ ہمارے پاس کسی کی امانت ہے... کیا اس کے بارے میں
حیرال کی موجودگی میں کچھ بتانا درست ہوگا۔“
”اوہ!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”بات اصول کی ہے... لہذا پہلے آپ اس کی حفاظت کر لیں،
اگر کر سکتے ہیں... اور میں اسے لے جانے کی کوشش کر لیتا ہوں...
کہانی آپ بعد میں سناتے رہے گا... یعنی میرے جانے کے بعد
... اگرچہ میں بھی اس کہانی کو سننے کے لیے بہت بے چین ہو گیا ہوں

... لیکن ... آپ کی بھی مجبوری ہے ... لہذا کھیل شروع ! میں اس ڈائری کو لے جانے کے لیے مجبور ہوں ... کیونکہ مجھے اس کام کے لیے پوری چار حکومتوں نے مقرر کیا ہے ... چاروں حکومتیں مجھے اپنے اپنے طور پر معاوضہ دیں گی ... اس معاوضہ کا نصف تو میں ان سے حاصل کر بھی چکا ہوں ... اور وہ اتنا ہے کہ ...

”وہ جتنا بھی ہے ... انکل جیرال ! آپ آخر اس دولت سے کر کیا لیں گے ۔ اچھے سے اچھا کالیں گے، بہن لیں گے، اچھی سے اچھی سواری خرید لیں گے ... یہاں تک کہ اپنا ذاتی ہوائی جہاز یا۔۔۔ ہیلی کاپٹر خرید لیں گے ... بس اس دنیا میں تو زیادہ سے زیادہ یہی بیش ہے ... اور آپ کیا کر لیں گے ... ہاں ! ایک چیز رو گئی ... اپنی رہائش کے لیے ایک بڑا محل بنا لیں گے۔ بس کچھ اور ؟“ رفعت نے جھنجھلاہٹ کے عالم میں جلدی جلدی کہا۔

”نہیں میری بچی ... اس دنیا میں دولت خرچ کرنے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں ... مثلاً میں ایک جزیرہ خریدنا چاہتا ہوں ... اس جزیرے پر میں صرف اپنے خادموں کو بساؤں گا ... وہ میرے غلام ہوں گے ... دن رات میرے اشاروں پر ناچیں گے ... دن رات میری خدمت میں حاضر رہیں گے ... دنیا جہاں کی نعمتیں میں اس جزیرے پر

جمع کروں گا ...“ جیرال فخر کے عالم میں کہتا چلا گیا۔
 ”اور ایک دن انکل جیرال آپ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے ... آپ کو دو گز زمین میں دفن کر دیا جائے گا۔“
 ”مر تو سبھی جائیں گے ... کوئی میں اکیلا تو نہیں مروں گا نا“
 جیرال ہنسا۔

”خیر ! آپ کی مرضی ... ہم تو چاہتے تھے ... آپ اس ڈائری کا پتھر چھوڑ دیں۔ اسے ہمارے پاس ہی رہنے دیں ... اور اپنے گھر واپس چلے جائیں ... اپنی زندگی تک کاموں میں بسر کریں۔“ نکسن نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

”سنو ... میں یہاں ڈائری کے لیے آیا ہوں ... ڈائری لے جا رہا تھا کہ رفعت نے میری غیرت کو چیلنج کر دیا ... کہنے لگی ... ایک چھوٹی سی بچی سے ڈائری چھین کر لے جا رہے ہیں ... میرے گھر کے باقی افراد کی موجودگی میں ایسا کرتے تو ایک بات بھی تھی ... میں نے اس کا چیلنج قبول کر لیا ... یہاں رک گیا ... چائے پی ... کیونکہ آپ لوگوں کا انتظار جو کرتا تھا ... سو اب میں ڈائری لے جا رہا ہوں ... میرا مشورہ ہے ... میرے راستے میں نہ آئیں ... امن جھین سے مجھے جانے دیں ... میں نہیں چاہتا، آپ میں سے کسی کو کوئی چوٹ دوٹ لگے ... یا

خون خراب ہو ... میں خون خرابے کے بہت خلاف ہوں ... شوکی برادران جانتے ہی ہوں گے ... میری تمام تر عادات وہی ہیں ... اس طرح میں آپ لوگوں کے لیے بالکل وہی ثابت ہوں گا ... آپ کوئی فرق محسوس نہیں کریں گے۔ میں اپنے دعوے کا پکا ہوں ... دشمن سے بھی کوئی بات ملے کر لیتا ہوں ... تو اسے پورا کرتا ہوں، کیا سمجھے ...

یہ کہتے ہوئے جبرال نے ایک پھلائی لگائی اور الماری کے بالکل نزدیک کھڑا نظر آیا ... دوسرے ہی لمحے ڈائری بھی اس کے ہاتھ میں نظر آئی: ”نہیں انکل جبرال! ہم آپ کو نہیں جانے دیں گے۔“

”اور مسٹر جبرال ... تم جانتے ہو ... میں ایک رٹائرڈ پولیس آفیسر ہوں ... میرا نشانہ بہت ہلکا ہے ... اور میں تمہارا نشانہ لے چکا ہوں، پھر نہ کہنا خبر نہیں ہوئی ... تم نے ڈائری جہاں سے اٹھائی ہے ... وہیں رکھ دو۔“

”اس کام کے لیے تو میں آیا ہی نہیں ... میں تو اسے لے جانے کے لیے آیا ہوں۔“ وہ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ بہت پرسکون تھی ... اطمینان سے بہت ہی بھرپور تھی۔

”ہم اس ڈائری کی حفاظت کرنے پر مجبور ہیں ... یہ ہمارے گھر میں امانت ہے ... آپ غیر قانونی طور پر اسے لے جانا چاہتے ہیں، لہذا

ہم آپ پر قاز کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔“ مشتاق احمد خان کی آواز سرد ہو گئی۔

”میں نے آپ کو کب کہا کہ آپ کو اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا ... خوب حق پہنچتا ہے، آپ اپنی سی کوشش کر گزریں ... میں اپنی کوشش کروں گا ... آپ شوق سے گولی چلائیں ... مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”تم کیا کہتے ہو شوکی۔“ مشتاق احمد خان صاحب نے اس کی طرف دیکھا ... لیکن ساتھ ہی ان کی کمرل توجہ ایک لمحے کیلئے بھی جبرال کی طرف سے نہیں ہٹتی تھی۔

”میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلے مرسلے پر ہی گولی نہ چلائیں ... ہمیں انکل جبرال کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ... تاکہ انہیں قانون کے حوالے کر سکیں ... اگر ہم ایسا نہ کر سکے ... تب آپ گولی چلا سکتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے شوکی ... اس عمر میں میں ہاتھوں پیروں کی جنگ تو لڑ نہیں سکتا، لہذا ایک طرف کھڑا ہو جاتا ہوں ... بیگم تم اندرونی کمرے میں چلی جاؤ، کہیں چوٹ نہ کھا بیٹھو۔“

”پر داغ نہیں۔“ شوکی کی والدہ نے کندھے اچکائے۔

”میں ایک بار پھر کہتا ہوں ... میرے راستے میں نہ آؤ ...

قائدے میں رہو گے۔“

”اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ آپ ڈائری نہ لے جائیں۔“

”سوری۔“ یہ کہہ کر جیرال ڈائری ہاتھ میں لیے دروازے کی

طرف بڑھا۔ وہ اس کے سامنے ایک دیوار کی طرح کھڑے ہو

گئے۔ جیرال اس ننھی ننھی دیوار کو دیکھ کر مسکرایا... پھر جونہی وہ ان کے

نزدیک پہنچا... اس نے نرمی سے دونوں ہاتھوں کی مدد سے انہیں دائیں

بائیں ہٹا دیا... اس کے ساتھ ہی وہ اس کے بازوؤں اور ٹانگوں سے

چٹ گئے :

”اچھی بات ہے... لو پھر کر لو مقابلہ۔“ یہ کہہ کر اس نے

ہاتھوں اور پیروں کو ایک جھٹکا مارا... ان کے ہاتھ اس کے جسم سے

ہٹ گئے... اور وہ دھڑام دھڑام ادھر ادھر کرتے چلے گئے۔

تاہم انہوں نے صاف محسوس کیا تھا کہ جیرال نے یہ جھٹکا بہت ہی

آہستہ انداز میں مارا تھا... اگر کہیں وہ زور سے جھٹکا مارتا تو وہ بڑی

طرح دیواروں سے ٹکراتے اور زخمی ہوئے بغیر نہ رہتے... اور اس کا

مطلب تھا... وہ انہیں زخمی نہیں کرنا چاہتا تھا...

یہ محسوس کر کے وہ اور شیر ہو گئے... مکھن نے فوراً اس پر

چھلانگ لگائی... جیرال نے اسے ایک ہاتھ پر روکا... دوسری طرف

اخلاق بائیں طرف سے چھلانگ لگا چکا تھا... اس نے اسے دوسرے

ہاتھ پر روکا... اسی میں ڈائری تھی... اخلاق نے دونوں ہاتھ ڈائری پر

بجا دیے... اور جھین لینے کے لیے زور لگایا... لیکن ڈائری اس کے

ہاتھ میں نہ آئی... وہ وہیں اس کے ہاتھ سے چٹا رہا...

ایسے میں شوکی نے اس کی کمر کی طرف سے چھلانگ لگائی اور

گردن پکڑ کر ٹھک گیا۔ اخلاق جیرال کے سامنے تھا... وہ تیزی سے آیا

اور سر کی ٹکر جیرال کی پیٹ میں دے ماری... اس نے محسوس کیا...

اس کی ٹکر کا اس پر خاک بھی اڑ نہیں ہوا... وہ پیچھے ہٹا اور دوسری ٹکر

ماری... جیرال اپنے جگہ سے ہلا بھی نہیں۔

اس مرتبہ اخلاق نے کچھ سوچا... پھر بولا :

”میں ایک ٹکر اور ماروں گا... اگر اس مرتبہ بھی کامیاب نہ ہوا

تو کوشش چھوڑ دوں گا۔“

”آؤ بچے... آؤ۔“ جیرال ہنسا۔

اخلاق پیچھے ہٹتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا... اس نے پہلے کی

طرح سر اس کے پیٹ کے رخ پر کر لیا اور کسی بکرے کی طرح جھٹکا

دے کر دوڑا... پھر جونہی وہ نزدیک پہنچا... وہ اونچا اچھلا اور اس کے

سر کی ٹکر جیرال کی ٹاک پر لگی... اس مرتبہ جیرال لڑکھڑا گیا... اس نے

کھن اور اخلاق کو چھوڑ دیا ... گردن کو جھکا مار کر اس کو بھی الگ کر دیا اور ایک ہاتھ سے اپنی ناک پکڑ لی ، ساتھ ہی اس کے منہ سے نکلا :
 ” بہت خوب ! یہ وار خوب رہا ، لیکن میں نے بھی خود کو بچانے کی کوشش نہیں کی تھی ... حالانکہ میں جان گیا تھا کہ تم کیا کرنے والے ہو ... لیکن میں نے سوچا ... ایک آدھ وار تم لوگوں کا بھی کھا ہی لوں ... کہیں تم دل میں رنج نہ محسوس کرتے رہو ... “

” لیکن انکل ... ہم آپ کو ڈائری نہیں لے جانے دیں گے ۔ “
 ” یہ تم صرف میری نرمی کی وجہ سے کہہ رہے ہو ... ورنہ میں سختی پر اتر آؤں تو تم مجھے نہیں روک سکتے ... یہ بات یاد رہے ۔ “

” آپ سختی کر لیں ، ہم نے کب روکا ہے ۔ “ شوکی نے جھلا کر کہا ۔
 ” یہی تو مشکل ہے میں بچوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتا ... یہ لو میں چلا ۔ “
 یہ کہتے ہی اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی اور گویا از کر باہر نکل گیا ... ساتھ ہی مشتاق احمد خان نے غار کیا ... لیکن وہ اس سے پہلے ہی کمان کی طرح جھک چکا تھا ... انہوں نے دوسرا غار کیا ... وہ فوراً ترچھا ہو گیا ... ان کا یہ وار بھی خالی گیا ... انہوں نے لگاتار غارنگ کر کے پستول خالی کر دیا ... حیرال گویا ہوا میں اڑ رہا تھا ... مشتاق احمد خان نے پستول خالی ہونے پر حیرال کی طرف پھٹی پھٹی

آنکھوں سے دیکھا ... ادھر اس نے باہر کی طرف چھلانگ لگائی ... شوکی برادرز اور رفعت بے تماشہ اس کی طرف دوڑے ، لیکن اس وقت تک وہ سڑک پر پہنچ چکا تھا ... وہاں ایک نئے ماڈل کی کار بالکل تیار کھڑی تھی ... ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار ہوا ہو گئی ... جب وہ سڑک پر پہنچے تو کار نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی :

” کیا خیال ہے کوئی ٹیکسی پکڑ کر تعاقب میں چلیں ۔ “ آفتاب بولا ۔
 ” کوئی فائدہ نہیں ۔ “ رفعت نے منہ بتایا ۔

” میرا بھی یہی خیال ہے ۔ “ شوکی نے رفعت کی تائید کی ۔
 اور پھر وہ اپنے گھر میں آ گئے :

” یہ ... یہ کیا ہوا ۔ “ مشتاق احمد خان کی کھوئی کھوئی آواز ابھری ۔
 ” آخر اس ڈائری میں کیا تھا ؟ “ شوکی بے چینی کے عالم میں بولا ۔
 ” مجھے نہیں معلوم ... نہ جانے کون سی زبان میں تحریر لکھی گئی تھی ... میرے پلے نہیں پڑی تھی ... اور پھر میں نے اس شخص کی امانت سمجھ کر اسے الماری میں رکھ دیا تھا ... اگر بات امانت کی نہ ہوتی تو میں تحریر کے کسی ماہر کو دکھاتا ۔ “

” اور ڈائری کے مالک نے کیا کہا تھا ابا جان ۔ “ کھن بولا ۔
 ” اس نے کہا تھا ، میں کسی دن اپنی ڈائری لینے ضرور آؤں گا ،

اس وقت دشمن میرے تعاقب میں ہیں اور وہ یہ ڈائری ہی مجھ سے چھین لینا چاہتے ہیں۔ اگر میں ان کے ہاتھوں سے بچ گیا تو ڈائری ضرور وصول کروں گا۔۔۔

بس اتنا کہہ کر وہ چلا گیا تھا۔۔۔ کیونکہ اسے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی اور پھر چند منٹ بعد ہمارے گھر کے سامنے دس بارہ آدمیوں کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔۔۔ آواز جلد ہی غائب ہو گئی تھی۔

”ہوں“ ان سب کے منہ سے نکلا، اپنے میں گھسنے لگا:

”پھر! اب کیا پروگرام ہے۔“

”بھلا ہمارا کیا پروگرام ہو سکتا ہے۔“ اشفاق نے منہ بتایا۔

”حد ہو گئی۔۔۔ وہ ہمارے گھر میں رکھی ایک امانت لے گیا ہے،

اب اگر ڈائری کا مالک آگیا تو کیا ہوگا۔۔۔ ہم اسے کیا بتائیں گے۔“

رفعت جھلا اٹھی۔

”وہی بتائیں گے جو ہوا ہے۔۔۔ اس میں ہمارا ایک فیصد بھی

قصور نہیں۔۔۔ ہم نے جان توڑ کوشش کی ہے۔۔۔ اور اگر مقابلہ کسی گھٹیا

دشمن سے ہوتا تو اس وقت ہماری ہڈی پہلی ایک ہو چکی تھی۔ وہ تو

جیرال تھا۔۔۔ اس نے ہمیں چوٹ نہیں آنے دی۔۔۔ اب بھلا ہم اسے

کہاں تلاش کریں اور کیسے کریں۔۔۔ ہاں ایک بات سمجھ میں آتی ہے۔“ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

”اللہ کا شکر ہے، ان حالات میں ایک بات تو آپ کی سمجھ میں

آئی ہے۔۔۔ اگر ایک بات بھی سمجھ میں نہ آتی تو ہم کیا کر لیتے۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

”توبہ ہے۔۔۔ بات تو پوچھ لو۔۔۔“ رفعت نے اسے گھورا۔

”ہاں تو وہ کیا بات ہے۔“ آفتاب بولا۔

”ہم آئی جی صاحب کو ساری بات بتا دیتے ہیں۔۔۔ پھر وہ

جائیں، جیرال جانے۔“

”ہاں۔۔۔ ٹھیک ہے۔“ سب ایک ساتھ بولے۔

اب شوکی نے آئی جی صاحب کو فون کیا۔

شوکی کی آواز سن کر وہ بولے:

”کیا حال ہے شوکی۔۔۔ بہت دنوں بعد تمہاری آواز سنائی دی۔“

”سرا ہمارے ملک کے اس جے میں جیرال آیا ہوا ہے۔“

”گگ۔۔۔ کون۔۔۔ کون آیا ہوا ہے۔“ مارے حیرت کے ان

کے منہ سے نکلا۔

”جیرال۔“

”کیوں مذاق کرتے ہو ... وہ تو کب کا مارا جا چکا ہے ...“

”لیکن جیرال ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ہمارے گھر میں موجود تھا۔“

”تب وہ جیرال کے میک اپ میں کوئی اور ہوگا۔“

”جی نہیں انکل ... وہ سو فیصد جیرال تھا ... اور ہمارے گھر سے ایک چیز لے جانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ زور سے چونکے۔

اب شوکی نے انہیں ڈائری کی کہانی سنا دی اور جس انداز سے جیرال وہ ڈائری لے گیا تھا، وہ بھی بتا دیا ... ساتھ ہی جیرال نے جو اپنے بارے میں وضاحت کی تھی ... اس کی تفصیل بھی سنا دی ... یہ ساری باتیں سن کر آئی جی بولے:

”یہ تو ایسا لگتا ہے ... وہ واقعی جیرال تھا ... خیر میں تمام راستوں کی ناکہ بندی کروا دیتا ہوں ... اور اس کا حلیہ نشر کر دیتا ہوں ... پھر جو نتیجہ برآمد ہوگا ... اس کی اطلاع تمہیں دوں گا۔“

”بہت بہت شکریہ انکل ... دراصل ہم اس ڈائری کے بارے میں فکر مند ہیں، نہ جانے اس میں کیا تھا۔“

”فکر مند تو میں بھی ہو گیا ہوں ... ویسے مشتاق احمد خان صاحب سے غلطی ہوئی ... جب وہ ڈائری انکس ملی تھی ... انہیں اسی وقت مجھ

سے رابطہ کرنا چاہیے تھا۔“ انہوں نے کہا۔

”لیکن سراسر اس وقت ڈائری کی کوئی اہمیت ظاہر نہیں ہوئی تھی ... اور وہ کسی شخص کا ذاتی مسئلہ محسوس ہوئی تھی ... اس کی اہمیت تو جیرال کے آنے پر واضح ہوئی ہے۔“

”ہاں! یہ بات بھی ہے ... خیر دیکھتے ہیں کہ اس مسئلے میں ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا ... عین اس وقت ان کے دروازے پر دستک ہوئی ... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”کھن ... دیکھو کون ہے۔“

کھن اٹھ کر دروازے کی طرف چلا گیا ... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور اس نے کہا:

”ابا جان! کوئی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے ... لیکن میں خوف محسوس کر رہا ہوں ... پہلے تم اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھا دو ... پھر میں جبری میں سے جھانک کر دیکھوں گا کہ ملاقاتی کون ہے۔“

”اچھی بات ہے ابا جان۔“

آفتاب باہر نکل گیا ... جلد ہی وہ پھر واپس آیا۔ اس نے کہا:

”میں نے ملاقاتی کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔“
 ”اوہ اچھا!“ مشتاق احمد خان نے کہا اور اندرونی دروازے میں
 ذرا سی جھری ہٹا کر اندر دیکھا... دوسرے ہی لمحے وہ زور سے اچھلے...
 ان کا رنگ اڑ گیا:

”کیا... کیا بات ہے ابا جان۔“

”یہ... یہ تو وہی ہے۔“

”جی... کون وہی... ارے باپ رے... آپ کا مطلب ہے

... ڈائری والا۔“

”ہاں!“ ان کے منہ سے مارے پریشانی کے نکلا۔

”تب پھر اس سے ملاقات کر لیں... جو کچھ ہوا ہے، اس

میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے... بلکہ یہ اچھا ہوا کہ یہ صاحب آگئے...

اب ہم اس ڈائری کی اہمیت جان سکیں گے۔“

”اوہ ہاں! یہ بات تو ہے۔“ آفتاب خوش ہو کر بولا۔

”تو پھر آؤ۔“

وہ دروازے کی طرف بڑھے ہی تھے کہ شوکی کے سواہل کی کھنٹی

بجی... شوکی نے دیکھا... فون آئی جی صاحب کا تھا:

”میں سر... اس نے فوراً کہا۔

”شوکی... راستوں کی ٹاکہ بندی کر دی گئی ہے... لیکن اس
 سے پہلے کی اطلاعات یہ ہیں کہ اس محلے کا ایک شخص ملک کے مشرقی
 حصے کی طرف پرواز کر چکا ہے، یہ اطلاع سن کر ہم نے ائرپورٹ کے
 کلوز سرکٹ کیمروں کی بٹائی ہوئی فلم دیکھی... تو اس اطلاع کی تصدیق
 ہوگئی... لیکن ابھی وہ جہاز مشرقی حصے کے ائرپورٹ پر نہیں پہنچا... لہذا
 میں اس طرف کے آئی جی صاحب کے ذریعے انسپکٹر کامران مرزا کو
 خبردار کر رہا ہوں۔“

”بہت خوب! اسی کی ضرورت تھی سر... شکریہ!“ یہ کہہ کر شوکی

نے فون بند کر دیا اور وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے...

مشتاق احمد خان کو دیکھتے ہی وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

”میں اپنی امانت واپس لینے کے لیے آگیا ہوں... مہربانی فرما

کر وہ ڈائری مجھے دے دیں... آپ کو یاد ہے نا... میں آپ کو بطور

امانت رکھوا گیا تھا...“

☆☆☆☆☆

گرڈ ہو گئی

اس نے یہ الفاظ کچھ ایسی بے چینی کے عالم میں کہے تھے کہ وہ سب پریشان ہو گئے۔ ان کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ خاص طور پر مشتاق احمد خان تو بالکل ساکت نظر آرہے تھے۔ یہ بات محسوس کر کے اس نے کہا:

”آپ کیوں چپ ہیں... بولتے کیوں نہیں... کہیں آپ میری امانت میں خیانت تو نہیں کر بیٹھے...“

”ایسی بات نہیں...“ مشتاق احمد خان کے منہ سے نکلا۔

”جب پھر کیسی بات ہے... آپ بتاتے کیوں نہیں...“

”پہلے تو ہم جاننا چاہتے ہیں... اس ڈائری میں کیا ہے... وہ آپ کو کہاں سے ملی... یا پھر وہ آپ کی اپنی ڈائری ہے... اور آپ اسے میرے پاس بطور امانت کیوں رکھ گئے تھے...“

”میں نے اس وقت بتایا تھا کہ کچھ لوگ میرے تعاقب

میں ہیں... اگر میں بچ نکلا تو واپس آکر اپنی یہ امانت لے لوں گا...“ اس نے کہا۔

”ہاں! آپ نے یہ کہا تھا... چلیے یہ بتا دیں، اس میں کیا ہے...“

”مجھے نہیں معلوم... بس اتنا معلوم ہے کہ اس ڈائری کے لیے میرے ایک بہت قریبی دوست نے جان دی ہے...“

”کیا مطلب... مہربانی فرما کر تفصیل سے بتائیں...“

”نہیں... پہلے آپ میری ڈائری میرے حوالے کریں...“

”آپ کو معلوم نہیں... آپ کی وہ ڈائری کس قدر اہمیت اختیار کر چکی ہے... اور اب ڈائری کا معاملہ بین الاقوامی سطح کا معاملہ بن گیا ہے... اور یہ کہ اس ڈائری کو حاصل کرنے کے لیے چار ممالک مل کر کوشش کر رہے ہیں اور ان چار ملکوں نے ایک بہت خوفناک آدمی کو ہمارے ملک میں بھیج دیا ہے...“

”کیا!!!“ وہ چلایا... اس کا رنگ اڑتا نظر آیا... پھر اس کے منہ سے نکلا: ”یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں...“ اب اس کی آواز میں لرزش تھی۔

”میں درست کہہ رہا ہوں... اور اس ساری بات کا ثبوت ہم

پیش کر سکتے ہیں، کیونکہ ہم ابھی ابھی اس خوفناک آدمی سے مقابلہ کر کے فارغ ہوئے ہیں اور اب یہ بات ہمارے آئی جی انوار عالم تک کو معلوم ہے اور اخبارات تک بھی یہ پہنچ جائے گی... لہذا آپ جلد از جلد ہمیں بتا دیں، ڈائری آپ کے کس دوست کی ہے... جس نے اس کے لیے جان دی ہے۔"

اس کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا... وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا تھا... شاید وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کہے... اور کیا نہ کہے... آخر اس نے کہا: "میرے دوست کا نام اسد مدنی تھا۔"

"معاف کیجیے گا، آپ نے اپنا نام نہیں بتایا اور یہ کہ آپ کیا کام کرتے ہیں۔"

"میرا نام قاسم نیاز ہے، میں ایک اخبار کے دفتر میں ملازم ہوں۔"

"اپنے دوست اور ڈائری کے بارے میں بھی تفصیل سے بتائیے۔"

"میرا دوست بھی میرے ساتھ اخبار کے دفتر میں کام کرتا تھا۔"

اخبار کا نام ہے... سچائی... ایک روز نصف رات کے بعد اس کا فون آیا تھا... میں اس وقت سونے کی تیاری کر رہا تھا... سردی شدید تھی... اور پھر ہم دونوں تھوڑی دیر پہلے ہی اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر لوٹے تھے... آپ کو معلوم ہوگا کہ اخبارات میں رات کو بھی

کام ہوتا ہے... ہاں تو اس کا فون ملا... وہ کہہ رہا تھا... میری جان کو خطرہ ہے... تم فوراً آ جاؤ... میں ایک امانت تمہیں سونپنا چاہتا ہوں... لیکن خدا کے لیے جلدی کرو... ایسا نہ ہو... دشمن مجھ تک پہنچ جائیں... میں اس کی بات سن کر ڈر گیا... اس کی طرف جاتے ہوئے بہت ڈر لگا کہ کہیں کسی لپیٹ میں نہ آ جاؤں... لیکن ہم دونوں کافی مدت سے اکٹھے کام کر رہے تھے، اس لیے ڈر کے باوجود چلا گیا... وہ اپنے گھر کے دروازے کے ساتھ ہی اندر کھڑا تھا... دروازہ اس نے بند کر رکھا تھا... میں نے دستک دی تو اس نے فوراً پوچھا... کون... میں نے نام بتایا تو اس نے آواز سن کر یک دم دروازہ کھولا اور مجھے بازو سے پکڑ کر اندر کھینچ لیا... اس نے اسی وقت ایک ڈائری مجھے دی اور کہا، یہ فوراً اپنے گھر لے جاؤ... اور اس کی حفاظت کرنا... اس کے بارے میں میں پھر بات کروں گا... بس جاؤ... اس کے لہجے میں بے تحاشہ خوف تھا... میں وہ ڈائری لے کر وہاں سے نکل آیا... دوسری صبح میرے دوست کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی... میں نے خود اسے فون کیا... لیکن اس کا فون بند تھا... خوف کی وجہ سے میں اس کے گھر نہ گیا... ویسے وہ اکیلا رہتا تھا... اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا... اور پھر دوپہر بارہ بجے کے قریب پتا چلا کہ اس کی لاش گھر سے ملی ہے

... اس کے پڑوسیوں نے گھر کے صدر دروازے سے اندر اسے فرش پر گرے پایا ... اور آس پاس خون پھیلا ہوا تھا ... انہوں نے پولیس کو خبر کی ... پولیس نے مجھ سے اور اخبار کے دوسرے ملازمین سے بھی سوالات کیے تھے ... میں نے انہیں اس ڈائری کے بارے میں کچھ نہ بتایا ... اور پھر اپنے گھر کا کمرہ بند کر کے اس ڈائری کو پڑھنے کی کوشش کی ... لیکن وہ نہ تو اردو زبان میں تھی ... نہ انگریزی میں ... میں اس کے بارے میں الجھن میں مبتلا ہو گیا ... سوچتا رہا، اس کے بارے میں کسی کو بتاؤں یا نہ بتاؤں ... اس طرح تقریباً ایک ماہ گزر گیا ... اور پھر میں نے ایک رات اپنے گھر کے آس پاس کچھ پراسرار لوگوں کو چکر لگاتے دیکھا ... میں اور زیادہ ڈر گیا ... اس وقت مجھے آپ کا خیال آیا کہ آپ شوکی برادرز کے والد ہونے کے ناطے میں آپ کے بارے میں جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ آپ پولیس افسر رہ چکے ہیں ... بس میں نے فیصلہ کیا کہ ڈائری آپ کے حوالے کر دوں اور پھر میں نے ایسا ہی کیا ... ڈائری آپ کو دینے کے بعد میں اپنے گھر نہیں گیا ... اپنے ایک دور کے عزیز کے ہاں چلا گیا تھا ... بس میں وہیں چھپا رہا ... اب کچھ خوف دور ہوا تو یہاں آ گیا ... کیونکہ میں اس ڈائری کے بارے میں جاننے کے لیے بہت بے چین ہو چکا ہوں ... " یہاں تک کہ وہ

خاموش ہو گیا۔

"افسوس! ہم اس کی حفاظت نہ کر سکے ... اگرچہ ہم نے اس کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگائی ہے ... لیکن اس ڈائری کو حاصل کرنے کے لیے کچھ طاقتوں نے ایک ایسے شخص کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتے، ویسے آپ کا تعلق بھی اخباری دنیا سے ہے ... اس لیے ہو سکتا ہے، آپ کو اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

"اور ... اور وہ کون ہے۔"

"اس کا نام جبریل ہے۔"

"نہیں! میں اس نام کے شخص کے بارے میں کچھ نہیں جانتا ... میں کوئی صحافی نہیں ہوں ... میں تو اس اخبار کے دفتر کے شعبہ اشتہارات میں اسسٹنٹ منیجر کے طور پر کام کرتا ہوں۔"

"ہوں ... اس کا مطلب تو پھر یہ ہوا کہ آپ کو بھی ڈائری کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور ہمیں بھی نہیں معلوم ... میں نے ڈائری پڑھوانے کی کوشش اس لیے نہیں کی کہ وہ آپ کی امانت تھی ... اگر معلوم ہوتا کہ معاملہ بین الاقوامی اہمیت کا ہے تو ہم ضرور اسے پڑھوا لیتے۔"

"تب پھر ... یہ راز کس طرح کھلے گا۔" اس نے کھوئے کھوئے

انداز میں کہا۔

”اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا... اب تو شاید اس معاملے میں بڑے لوگ شامل ہو جائیں... اور ہمیں اس معاملے سے دیسے ہی الگ کر دیا جائے۔ آپ اگر ہم سے کوئی مطالبہ کرنا چاہتے ہیں... یا ہم پر مقدمہ کرنا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔“

”نہیں... ساری بات جاننے کے بعد میں کیوں ایسا کوئی قدم اٹھاؤں گا... میں چلا ہوں... لیکن اگر آپ کو اس ڈائری کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے تو مجھے ضرور بتا دیجیے گا... یہ میرا کارڈ ہے... میں صرف اس لیے جاننا چاہتا ہوں کہ اس کی خاطر میرے دوست نے جان دی ہے۔“

”اوہ ہاں... آپ کے دوست کا قتل کس تاریخ کو ہوا تھا اور پولیس قاتل کا کوئی سراغ لگا سکی تھی یا نہیں۔“

”نہیں... بالکل کچھ نہیں کر سکی تھی... یہ ایک ماہ پہلے کی بات ہے... اس روز نومبر کی 19 تاریخ تھی۔“

”شاید ہم اس کے قاتل کا سراغ لگالیں اور ڈائری کے بارے میں کچھ معلوم کر لیں... اس صورت میں آپ کو ضرور بتائیں گے... آپ کا بہت بہت شکریہ...“

اور پھر وہ غمگین سا رخصت ہو گیا:

”اب ہم کیا کریں۔“ آفتاب بولا۔

”میں نومبر کے اخبارات دیکھ سکتے ہیں۔“ رفعت نے منہ بنایا۔ انہوں نے اسی وقت اخبارات کے فائلوں سے میں نومبر کے اخبارات نکال لیے۔ اس تاریخ کے اخبارات میں اسد صدیقی کے قتل کی خبر موجود تھی... یہ بہت مختصری خبر تھی... الفاظ یہ تھے:

”19 نومبر کی رات کو روزنامہ سچائی کے عملے کے ایک رکن اسد صدیقی کو قتل کر دیا گیا... قتل نصف رات کے قریب ہوا... اسد صدیقی کی لاش صبح لوگوں نے دیکھی اور پولیس کو اطلاع کی... مقتول اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا... اور غیر شادی شدہ تھا... پولیس قتل کی وجہ معلوم کرنے اور قاتل کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہی ہے... مزید تفتیش جاری ہے۔“

اس کے بعد کے اخبارات بھی انہوں نے دیکھ ڈالے، لیکن اس کے قتل کے بارے میں پھر کوئی خبر نظر نہ آئی... ظاہر ہے... وہ ایک عام سے انسان کا قتل تھا... کسی بڑی حیثیت کے آدمی کا قتل نہیں تھا۔ انہوں نے اخبارات سمیٹ لیے... اب مشاق احمد خان نے آئی جی صاحب کو فون کیا اور ڈائری کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا تھا... وہ انہیں بتا دیا... ان کے خاموش ہونے پر وہ بولے:

”جبرال ملک کے مشرقی حصے میں پہنچنے والا ہے ... میں نے
 انپکٹر کامران مرزا کو خبردار کر دیا ہے۔“
 ”اوہ! بہت خوب سر۔“ مشتاق احمد خان کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

ارے باپ رے

”آخر جبرال کتنی بار واپس آئے گا...“ آفتاب کے منہ سے نکلا۔
 ”اور بلیک ہول والے کیس میں تو ہم نے خود اس کی لاش
 دیکھی تھی... مجھے یاد ہے... رانوٹا نے اپنے لمبے ناخنوں سے اس کا پیٹ
 چاک کر دیا تھا۔“ آصف کی آواز ابھری
 ”اور وہ اس لئے کہ اس نے اصول کی بات کی تھی... اور ہماری
 خاطر اپنے ساتھیوں سے الجھ پڑا تھا۔“ فرحت کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی
 تھی۔

”اور مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ ہم سب کو اس کے مرنے کا افسوس
 بھی ہوا تھا... کیونکہ وہ اگر اس وقت ہمارا ساتھ دینے کا اعلان نہ کرتا
 تو شاید مارا بھی نہ جاتا۔“ انپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”لیکن یہ واپس کیسے آگیا؟“

”کیوں یہ جبرال کا clone تو نہیں ہے...“

”کلون اپنے اصل کا ہم عمر نہیں ہوتا... اس لئے یہ تو ناممکن ہے کہ یہ جبرال کلون ہو... کلوننگ کے طریقے سے پیدا کئے گئے انسان بھی اسی طرح بچے سے بڑے ہوتے ہیں جیسے عام بچے ہوتے ہیں... فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اصل کی ہو بہو نقل ہوتے ہیں... یعنی اپنے اصل کے ڈی این اے کی نقل۔“

”اوہ!“

”ہر جاندار کا اپنا ایک الگ ڈی این اے کوڈ ہوتا ہے... ہماری جسمانی ساخت اور شکل و صورت میں جو فرق نظر آتا ہے وہ اسی ڈی این اے پر وفاق میں فرق کے سبب ہے اور اب تو سائنس اس مقام پر پہنچ گئی ہے کہ ڈی این اے کوڈ میں تبدیلی کر سکے... لیکن آج کل تو جینیاتی سائنس کی مدد سے گوشت پوست کے اعضاء کی تیاری کے تجربات بھی کئے جا رہے ہیں... یعنی ان لوگوں کیلئے جو حادثات کا شکار ہو کر اپنے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء گنوا بیٹھتے ہیں، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ انسانیت کی بہت بڑی خدمت ہے... اب ایسے لوگوں کو مصنوعی ہاتھ پاؤں اور ناک کان کی جگہ اصلی اعضاء ملنے لگیں گے۔“

”پھر تو وہی امکانات رہ جاتے ہیں... ایک تو یہ کہ وہ کوئی

روبوٹ ہے... جس کو جبرال کے دماغ کے نقشے پر پروگرام کیا گیا ہے... اور دوسرا یہ کہ انٹارچہ کے سائنسدان مرے ہوئے کو زندہ کرنے تک آگے بڑھ چکے ہیں...“ آفتاب ڈرامائی انداز میں بولا۔

”نہیں! ایک تیسرا امکان بھی ہے...“ فرحت نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

”اور وہ کیا ہلکا...“ آصف مسکرایا۔

”وہ... یہ کہ جبرال مرانی نہ ہو... یاد کرو... ہمارے سامنے اس کی لاش پڑی تھی اور پھر بھی اس کی آواز ہمیں سنائی دے رہی تھی... اور اس بات پر رالوتا بھی حیران تھی۔۔۔“

”چلو اب چھوڑو بھی... جبرال جیسے بھی واپس آیا اب تو اس سے دو دو ہاتھ کئے بغیر چارہ بھی کوئی نہیں...“ انیکٹر کامران مرزا نے کندھے اچکائے۔

جواب میں غیور سر ہلکا کر رہا گئے۔

انیکٹر کامران مرزا، آفتاب، آصف اور فرحت اس وقت اپنے شہر کے ایئرپورٹ کے اندر موجود تھے، جہاں جہاز آکر رکنے والا تھا۔ انہوں نے جبرال کو اندر ہی پکڑنے کا پروگرام بنایا تھا۔ سب انیکٹر شاہد اور اس کے ماتحت بھی ایئرپورٹ کی خاص جگہوں پر موجود تھے... آخر

طیارہ اترتا نظر آیا... پھر وہ بورڈنگ برج سے آگیا۔ مسافر طیارے سے باہر آنے لگے... ان کی نظریں ایک ایک مسافر کو بغور دیکھنے لگیں... مسافر آتے جاتے رہے... یہاں تک کہ انہیں ایک ایسا شخص آتا نظر آیا جو چال ڈھال سے حیرال نظر آتا تھا، لیکن اس کا چہرہ حیرال جیسا نہیں تھا... صاف ظاہر ہے، وہ میک اپ میں رہا ہوگا۔

"یہی ہے۔" آصف نے پر جوش لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" انسپکٹر کامران مرزا کی فکر مندانہ آواز سنائی دی۔

"آپ کو کیا ہوا۔"

"لگتا ہے... گڑبڑ ہو گئی۔" وہ بڑبڑائے۔

"جی... گڑبڑ ہو گئی، کہاں گڑبڑ ہو گئی، ہمیں تو یہاں دور دور

تک کسی گڑبڑ کے آثار نظر نہیں آ رہے۔" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"آؤ... ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

وہ اس شخص کے نزدیک پہنچ گئے... انسپکٹر کامران مرزا نے اس

پر پستول تان دیا اور بولے: "آپ اس طرف آئیں۔"

"خیریت۔" اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ کی تلاشی لی جائے گی... آپ کا اصل چہرہ دیکھا جائے

گا۔"

"ہا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے منہ ہٹایا۔

"آپ کو مطلب سمجھ میں آجائے گا... آئیے۔" انہوں نے

اسے کھائی سے پکڑ لیا۔

اب وہ اسے ایک الگ کمرے میں لایا گیا... ان کی ہدایت پر

ایئرپورٹ سیکورٹی فورس کے عملے نے ان کے لیے پہلے ہی یہ کمرہ خالی

کر دیا تھا... دروازہ بند کر کے انسپکٹر کامران مرزا بولے:

"خوشی ہوئی تم سے مل کر حیرال... خیر یہ حال احوال تو ہوتا

ہی رہے گا... ہاں تو مسٹر حیرال... وہ ڈائری کہاں ہے۔"

"ڈائری... کون سی ڈائری۔" اس نے کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے ایک نظر اس کو نہایت غور سے دیکھا اور

پریشان ہو گئے... پھر بولے:

"میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا، چوک ہو گئی..."

"جی کیا مطلب؟"

"یہ حیرال نہیں ہے... حیرال نے اپنا میک اپ اس شخص پر کیا

تھا... لیکن اس طرح کہ یہ شخص اس طرح نظر آئے جیسے حیرال نے اپنے

چہرے پر میک اپ کر رکھا ہے... اور خود وہ کسی اور کے گیٹ اپ میں

سفر کر رہا تھا... ہماری نظریں جو انہی اس شخص پر پڑیں، ہم باقی مسافروں

کو تو بھول گئے اور اسے پکڑ کر یہاں لے آئے... اس کے فوراً بعد والا
سافر ضرور جبرال تھا... اور مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس کے پیچھے ایک شخص
دھنل چیز پر تھا... دو آدمی اس کی دھنل چیز کو دھکیل رہے تھے... لیکن
ہم اس کی طرف کیسے دیکھتے... ہماری نظریں تو اس پر جم چکی تھیں۔

”تب پھر یہ کون شخص ہے۔“

”اس کا کوئی ساتھی... یا پھر۔“

”یا پھر کیا۔“ آفتاب نے بے چین ہو کر کہا۔

”ایک منٹ ظہور... ہاں تو مسٹر اب ذرا سچ اگل دیں... یہ تو ہم
جان چکے ہیں کہ جبرال جا چکا ہے، لیکن تم کون ہو... کیا اس کے
ساتھی یا کوئی اور۔“

”ملک کے جنوب مغربی حصے میں اس شخص نے مجھ سے ملاقات
کی تھی... اس نے کہا تھا کہ مجھے جہاز کا سفر کرنا ہے... مشرقی
ایئرپورٹ پر خفیہ پولیس والے تمہیں چیک کریں گے... لیکن اس سے
زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے... کیونکہ تم ایک عام آدمی ہو... زیادہ سے
زیادہ کوئی عدالت تمہیں چند ماہ کی سزا سنائے گی اور بس... اس کے
لیے اس نے مجھے دس لاکھ روپے دیے تھے... وہ دس لاکھ میں نے
اپنے بیوی بچوں کو دے دیئے... کیونکہ ہمارے حالات بہت تنگ ہو

چکے تھے، اس لیے اس شخص کی یہ پیش کش میں نے مان لی۔“
”تمہاری اس سے ملاقات کہاں ہوئی تھی۔“

”میں ایک ہوٹل سے کسی کی جیب کاٹ کر نکل رہا تھا... دراصل
میں جیب تراش ہوں... بلکہ آج کل کی زبان میں جیب فنکار... لیکن
اتنا ماہر نہیں ہوں... اکثر پکڑا جاتا ہوں... بس اس نے کہا کہ یہ تم کیا
چھوٹی سوئی چوریاں کرتے رہتے ہو... دس لاکھ روپے کمانے کے
بارے میں کیا خیال ہے... لیکن ہو سکتا ہے... اس سلسلے میں تمہیں
ایک دو ماہ کے لیے جیل جانا پڑ جائے... اب میں بھلا دس لاکھ کے
لیے یہ بات کیوں منظور نہ کر لیتا... میں تو ہزار دو ہزار کی چوری کے
سلسلے میں جیل چلا جاتا ہوں... میں نے اس کی بات مان لی... اس
نے میرے چہرے میں تبدیلی کی... اس کے مطابق ایک شناختی کارڈ
مجھے دیا... اور جہاز کا ٹکٹ... بس مجھے اتنا کرنا تھا کہ اس جہاز میں
سوار ہو جاؤں جس کا وہ ٹکٹ تھا... اور ادھر آ کر اتر جاؤں... اس کے
بعد میں آزاد ہوں گا... میں نے یہ سودا منظور کر لیا... اب آپ مجھے
جیل بھجوا دیں...“ یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دیا... اس کے مسکرانے کے
انداز کو دیکھ کر فرحت چونک اٹھی... اس نے انسپکٹر کامران مرزا کو اشارہ
کیا... وہ فوراً بولے:

”ہمارا یہی خیال تھا... لیکن تمہیں جیل بھیج کر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا... اگر تم صرف ایک وعدہ کر لو... کہ آئندہ چوریاں نہیں کرو گے تو ہم تمہیں چھوڑ سکتے ہیں... ورنہ جیل جانا ہوگا۔“ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

”مم... میں... میں وعدہ کرتا ہوں۔“ وہ خاموش ہو گیا۔

”جاؤ تم بھی کیا یاد رکھو گے۔“

انہوں نے دروازے کی طرف اشارہ کیا... وہ تیر کی طرح باہر نکل گیا... ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے سب انسپکٹر شاہد کو ہدایات جاری کر دیں اور خود بھی ائیرپورٹ سے نکل کر اپنی کار میں آ بیٹھے... انہوں نے موبائل پر شاہد سے رابطہ قائم کر لیا:

”ہاں! اب دونوں موبائل آن رہیں گے... ساتھ ساتھ بتاتے جاؤ... اس کا رخ کس طرف ہے۔“

”سر! وہ ساحلی ہائی وے کی طرف جا رہا ہے۔“

”اور ہو بھی کیا سکتا ہے... ظاہر ہے کہ جیرال کا معاملہ ہو اور سمندر درمیان میں نہ آچکے... اس کا ارادہ ساحل سمندر کی طرف جانے کا ہے... تعاقب جاری رکھو۔“

”اوکے سر۔“

دونوں طرف خاموشی چھا گئی تو آصف نے جلدی سے کہا:

”تو کیا انگل! آپ کے خیال میں یہ شخص جھوٹ بول رہا تھا اور دراصل جیرال کا ہی ایک ساتھی ہے۔“

”تو اور کیا... ابھی نظر آ جائے گا۔“

جلدی سب انسپکٹر شاہد کی آواز ابھری:

”آپ کا خیال ٹھیک ہے سر... یہ شخص ساحل پر پہنچ کر ایک ہٹ کا رخ کر رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے... جونہی یہ ہٹ میں داخل ہو، اسے گھیرے میں لے لیا جائے... اندر صرف ہم جائیں گے۔“

”اوکے سر۔“

اور سب انسپکٹر شاہد نے انہیں بتایا:

”وہ ہٹ میں داخل ہو گیا ہے۔“

”بہت خوب... ہم پہنچ رہے ہیں، ہٹ کو پوری طرح گھیر لیا جائے۔“

”تھک نہ کریں سر۔“

آخر وہ ساحل تک آ پہنچے... انسپکٹر کامران مرزا نے کار سڑک سے

ریت میں اتار کر روک دی... چکیلی دھوپ میں سمندر کا نیلا پانی اور اس پر لہراتی سورج کی کرنوں کا منظر آصف، آفتاب، فرحت کو ہمیشہ بہت

جادو کی ساعسوں ہوا کرتا تھا... کوئی اور موقع ہوتا تو وہ آؤ دیکھتے نہ تاؤ... دوڑ لگاتے اور پانی میں کود پڑتے... لیکن ان کو ایسے مواقع شاید وادور ہی ملا کرتے تھے... ان کی زندگی اور چاسوی بکھیزوں کے تانے بانے اس طرح آپس میں الجھ کر رہ گئے تھے کہ تفریح اور پنک بھی ان کو پیہوں کی طرح پڑے مل جاتے تھے... خیر سمندر کے پانی کو حسرت کی نظروں سے دیکھتے اور شاید سے سوبائل فون پر رابطے میں رہتے ہوئے وہ جبرال والی ہٹ کے نزدیک پہنچ گئے... انہوں نے دیکھا کہ سب انسپکٹر شاہد اور اس کے ماتحتوں نے ہٹ کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا تھا... لیکن اس طرح کہ کوئی دیکھنے والا یہ بات محسوس نہیں کر سکتا تھا... مطلب یہ کہ سب انسپکٹر شاہد نے اپنے آدمی ہٹ سے کافی دور مقرر کئے تھے... وہ بھی اس طرح کہ ہٹ کے اندر سے باہر کے حالات پر نظر رکھنے والوں کو محسوس ہو جیسے یہ لوگ ساحل کی سیر کرنے کے لیے آئے ہوں... انہوں نے اس چیز کو صاف نوٹ کیا کہ یہ تاثر دینے کیلئے سب انسپکٹر شاہد نے نگرانی کرنے والی ٹیم میں لیڈی ایجنٹوں کو بھی ساتھ لیا تھا... انہیں دیکھ کر شاہد تیزی سے پکا:

”سرا وہ اندر ہی ہے۔“

”اس کے لیے جس نے دروازہ کھولا، وہ نظر آیا۔“

”ہاں سر! لیکن وہ جبرال کی جسمانی ساخت سے کسی بھی طرح مماثلت نہیں رکھتا... کسی طرح بھی جبرال نہیں ہو سکتا۔“

”جبرال کسی اور گیٹ اپ میں ہے... اور اسے گیٹ اپ میں پہچان لینا آسان کام نہیں۔ خیر ہم دستک دینے چاہے ہیں... امکان یہی ہے کہ جبرال اس جگہ میں موجود ہے... اور وہ ڈائری بھی... لیکن سوال یہ ہے کہ اسے یہاں آنے کی کیا ضرورت... شاید اس لئے کہ... جبرال سمندروں کے سفر کا عادی ہے... وہ عام طور پر سمندروں کے سفر کے ذریعے اپنے کام لگاتا ہے... اور وہ ضرور یہاں سے کسی سمندری ٹرانسپورٹ کے ذریعے نکلنے کا پروگرام رکھتا ہے... اور ہم دیکھ رہے ہیں، یہ ساحل زیادہ پر رونق نہیں ہے... اس پر بہت قاصدے پر تفریحی ہٹ بنے ہوئے ہیں... مطلب یہ کہ اس طرف بہت کم لوگ آتے ہیں... لالچ کے ذریعے کوئی یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے تو آگے بحری فوج کے میری ٹائم سیکورٹی والے اسے روک لے گی، لیکن جبرال عام آدمی نہیں ہے... وہ بھلا اسے کس طرح روک سکیں گے... اس لیے شاید... میرا خیال ہے... اس نے اپنے فرار کے مضبوط انتظامات کر لئے ہیں... جب کہ ہمارے پاس یہاں لالچ موجود نہیں ہے... اور اس کے لیے کوئی لالچ آتی ہی ہوگی... اب ہم کیا کریں۔“

یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے رک گئے۔

”ہم اسے ساحل تک جانے ہی کیوں دیں سر۔“

”تمہارا کیا خیال ہے ... کیا اسے روکنا آسان کام ہے ...

نہیں ... ہرگز نہیں۔ ابھی تم دیکھ ہی لو گے ... وہ ... وہ دیکھو ایک

لاٹچ ساحل کی طرف بڑھ رہی ہے ... اسے باپ رے۔“

ان کی آواز میں خوف ابھر آیا :

☆☆☆☆☆

سوال کا جواب

”مگ ... کیا ہوا سر؟“ شاہد گھبرا گیا۔

”وہ کوئی چھوٹی لاٹچ نہیں ... اور ہے بھی اسلحے سے لیس ... اس

پر طیارہ شکن توپوں جیسے ہتھیار نصب ہیں ... مطلب یہ کہ یہ لاٹچ تو جنگی

طیاروں کو تباہ کر سکتی ہے ... ہمارے پاس اس کا مقابلہ کرنے کا کوئی

طریقہ نہیں ... فوری طور پر ہم کوئی ہتھیار یہاں نہیں منگا سکتے۔“

”لیکن انگل! بھلا ہمیں اس سے کیا خطرہ۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”یہ جہاز کو لینے کے لیے آئی ہے ... اور اس لاٹچ کی موجودگی

میں ہم جہاز کو نہیں روک سکتے۔“

”ایسا بھی کیا انگل ... ہم سمندر میں روک لیں گے اسے۔“

”کیسے ... اور سمندر میں ہم اسے روک بھی لیں تو مقابلہ کس

چیز سے کریں گے۔ ہماری حکومت اس لاٹچ کے مقابلے میں ہماری کوئی

مدد نہیں کر سکے گی۔“ انہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

”یہ آپ نے کیا بات کہی انکل۔“ فرحت اور زیادہ حیران ہو کر بولی۔
 ”تم نے اس لانچ کے عرثے پر نصب راز کو دیکھا ہے۔“ وہ بولے۔
 ”جی... جی ہاں! بالکل دیکھا ہے۔“

”اور اس راز پر ایک بڑا سا کارڈ لگایا گیا ہے... اس پر ایک تصویر ہے اور وہ تصویر ہے کالی بلی کی... اس کالی بلی کی آنکھیں بالکل سفید ہیں... تم لوگ دیکھ رہے ہو۔“ یہاں تک کہ کراؤنگنگل کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

”جی... جی ہاں! بالکل دیکھ رہے ہیں... تو پھر؟“

”پھر یہ کہ یہ انٹارچ کا خاص نشان ہے... اور ہماری اپنی حکومت کا جاری کردہ نشان ہے... اس نشان کا مطلب ہے... ہم اس لانچ کی تلاشی نہیں لے سکتے... اس پر سوار لوگوں کو ہم چیک نہیں کر سکتے... اب اگر اس جنگل سے نکل کر جیرال لانچ تک پہنچ گیا اور لانچ یہاں سے روانہ ہو گئی تو کچھ لو... جیرال ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”ہماری حکومت نے ایسی اجازت کیوں دی ہوئی ہے انکل۔“

”اس لیے کہ ہماری حکومت انٹارچ کے دباؤ میں ہے... اس کی سرپرستی میں چلنے والے مالیاتی ادارے ہمیں سالانہ نہ جانے کتنے ارب ڈالر قرض دیتا ہے... ہمارے بااثر معاشی ماہرین نے اپنی غلط

پالیسیوں کی وجہ سے ہم پر سود چڑھا دیا ہے... حیرت کی بات یہ ہے کہ ہمارا کوئی وزیر خزانہ اور وزیر دفاع ان مالیاتی اداروں کی منظوری کے بغیر یہ عہدے حاصل نہیں کر سکتا، ہم پہلی رقم سود سمیت ادا کر نہیں پاتے کہ ایک نئی رقم ہمارے سر پر سوار ہو جاتی ہے اور ہم قرض در قرض کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں... اور اب میں دیکھ رہا ہوں... جیرال اس ہٹ سے بڑے فخر سے نکل رہا ہے، لاپرواہی کے انداز میں... جیسے حالات پوری طرح اس کے قابو میں ہوں... لیکن بہر حال ہم اسے روکیں گے... ورنہ یہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔“

”آپ کا مطلب ہے... جیرال اس لانچ پر نکل جائے گا اور ہم سمندر میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔“

”انداز یہی ہے... لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اسی سرطے پر اپنی شکست مان لیں... نہیں... ہم اپنی پوری کوشش کریں گے اور ہو سکا تو جیرال سے مقابلہ کریں گے... آگے جو اللہ کو منظور۔“
 ”تو ہم اسے شوٹ کیوں نہ کر دیں؟“

”تم سمجھتے ہو یہ اتنا ہی آسان ہے... جتنا کہ یہ کہہ دینا۔“

یہ کہتے ہی انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا۔ انہیں صورتحال بتائی اور فوری طور پر اس سائل پر ایک لانچ کے انتظام کی درخواست کی

... دوسری طرف سے فوراً کہا گیا: "کامران مرزا! اگر اس لالچ پر سفید آنکھوں والی بی بی کا کارڈ لہرا رہا ہے ... تو ہم کچھ نہیں کر سکتے، میرا مطلب ہے ہمیں کچھ بھی کرنے کی اجازت نہیں ہے ... لہذا لالچ بھی نہیں بھیجیں گے ... البتہ ..." وہ یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"البتہ کیا سر! انسپکٹر کامران مرزا نے پوچھا۔

"البتہ تم اپنے طور پر کوشش کرنا چاہو تو مجھے بتائے بغیر کوشش کر سکتے ہو ... مطلب یہ کہ میں تمہیں اجازت نہیں دے رہا ... اور نہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو ..."

"میں سمجھ گیا سر، اب ہم جو کچھ بھی کریں گے، اپنی ذمہ داری پر کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک! کامران مرزا تم ایک بات اور بھی سن لو ... پھر نہ کہنا ... میں نے بتایا نہیں۔" ان کے لہجے سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔
"اور وہ کیا سر۔"

"اس بات کا امکان ہے کہ ... تمہیں اس سلسلے میں معطلی کا سامنا کرنا پڑے ... اگر مجھے اوپر سے حکم ملا تو ظاہر ہے ... تمہیں معطل کرنے پر میں مجبور ہوں گا ... یہ سوچ کر قدم اٹھانا۔"

"سر! قدم تو اب اٹھے گا، اس کے جواب میں چاہے کچھ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے کامران مرزا ... یہی میرا اندازہ تھا کہ تم قدم اٹھائے بغیر نہیں رہو گے۔"

"اور ایک بات میں بھی بتا دوں سر۔" کامران مرزا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہاں کامران مرزا ... ضرور۔" وہ فوراً بولے۔

"چاہتے آپ بھی یہی ہیں کہ میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں ... لیکن آپ سرکاری سطح پر مجھے حکم نہیں دے سکتے۔"

"تم یہ سمجھنے یا نہ سمجھنے میں پوری طرح آزاد ہو کامران مرزا۔"

"میں سمجھ گیا سر ... اب آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

اور پھر ... وہ اس ہٹ اور ساحل کے درمیان میں آ گئے۔ اب ایک طرف ہٹ تھی ... اس کے آگے یہ لوگ تھے اور ان کی کمر پر ساحل تھا ... جبرال کو ہٹ سے نکل کر ساحل تک جانا تھا ... اور ساحل پر لالچ آنے والی تھی ... گویا جو کچھ ہونا تھا ... چند منٹ کے اندر اندر ہونا تھا ... اور سچ بات یہ ہے کہ اس لمحے انسپکٹر کامران مرزا پریشان نظر آرہے تھے۔

پھر انہوں نے جبرال کو ہٹکے سے ٹکٹے دیکھا ... وہ ہوشیار ہو گئے۔
ان کے ہاتھ اپنے اپنے ہسٹول کے دستے پر جم گئے۔

"سنو پہلے اس پر صرف میں حملہ کروں گا... تم ادھر ادھر نیلوں کی اوٹ میں رہنا۔"

"ٹھیک ہے انگل۔" آصف نے فوراً کہا۔

جیرال کے ساتھ تین آدمی اور تھے... تینوں غیر ملکی تھے اور انتہاء کے گتے تھے... ابھی وہ ساحل اور جنگل کے درمیان میں پہنچے تھے کہ اچانک انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری:

"تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

وہ ٹھٹھک گئے... انہوں نے دائیں بائیں اور سامنے دیکھا... پھر جیرال مسکرا دیا... اور بولا: "آہا... انسپکٹر کامران مرزا... خوش ہوئی تمہاری آواز سن کر... اور تم بھی یقینی طور پر یہ جان کر خوش ہوئے ہو گے کہ میں ایک بار پھر واپس آ چکا ہوں... میں نے تم کو دیکھ لیا ہے انسپکٹر کامران مرزا... تم میرے بائیں طرف تیسرے ٹیلے کی اوٹ میں ہو... اور بے شک یہ ایک اچھا سوچ ہے... کیونکہ ہم اس جگہ سے تم پر حملہ نہیں کر سکتے... لیکن مشکل ایک اور ہے۔" جیرال یہاں تک کہہ کر روک گیا... اس کے لہجے سے حد درجے سکون ظاہر ہو رہا تھا:

"اور وہ کیا۔"

"تم ہم پر سرکاری طور پر تو حملہ کر ہی نہیں سکتے... اپنے طور پر

کرو گے... لہذا تمہاری مدد کیلئے کوئی نہیں آئے گا... اور اس کا انتظام ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔"

"میں تمہاری یہ بات درست مان لیتا ہوں... لیکن..." انسپکٹر کامران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔

"لیکن کیا؟" جیرال بے غری کے عالم میں بولا۔

"لیکن... تم بھی یہ بات بہت اچھی طرح جانتے ہو کہ ہم اپنے محکمے کی مدد لیتے ہی کب ہیں... ہم ہمیشہ اپنی مدد آپ کے تحت کام کرتے ہیں... ہاں اپنے دوستوں کو ضرور آواز دیتے ہیں۔"

"میں نے بتا دیا... تمہاری حکومت تمہارے ساتھ نہیں ہے... اس لحاظ سے تم بے یارو مددگار ہو... اب چاہو تو میرے راستے سے ہٹ جاؤ... چاہو تو حملہ کر کے اپنی مہارت آزمائو۔"

"ہم اپنی کوشش کریں گے... اس سے پہلے میں بھی تم کو ایک پیشکش کیے دیتا ہوں۔"

"کیسی پیشکش۔"

"وہ ڈائری مجھے دے دو اور میرے ملک سے چلے جاؤ... اس صورت میں ہم تم کو نہیں روکیں گے۔"

"بھئی واہ... بہت خوب... ڈائری کی تو ساری جگہ ہے یہ...

وہ تم کو کیسے دی جاسکتی ہے۔“

”تو یہ لو... سنبھالو ہمارا وار۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر کامران نے فائر کر دیا... انہوں نے جیرال کو اپنی جگہ اس طرح اچھلتے دیکھا جیسے اس کے پیروہا پر اپرنگ لگے ہوں۔ پھر جونہی جیرال کے پاؤں زمین پر لگے، انہوں نے پھر فائر کیا... اس مرتبہ جیرال دائیں طرف لڑھک گیا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ وہ پہلے لڑھک کر دو ٹیلوں کی اوٹ لے چکے تھے... البتہ جیرال نے کسی نیلے کی اوٹ لینے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی... اگرچہ وہ چاہتا تو اوٹ لے سکتا تھا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اس مرتبہ اور طرح نشانہ لیا... انہوں نے انگلی کو مصنوعی حرکت دی... یعنی یہ انداز اختیار کیا جیسے گولی چلا رہے ہیں اور جب جیرال اچھلا تو دراصل اس وقت ٹرگر دبایا... ان کا خیال تھا کہ یہ گولی تو ضرور جیرال کو لگے گی... لیکن انہوں نے اسے نشانہ میں اچھلتے دیکھا... یعنی ابھی اس کے پاؤں زمین پر لگے نہیں تھے کہ وہ مزید اچھل گیا... اس طرح گولی اس کے پیچھے سے نکل گئی... ساتھ ہی وہ چپکا:

”کامران مرزا... ذرا سوچ سمجھ کر فائرنگ کریں... بلکہ پسند کریں تو ان تینوں سے بھی فائر کراؤ... جہاں تک مجھے پتا چلتا ہے،

ان کے نام آصف، آفتاب اور فرحت ہیں، مطلب یہ کہ تم چاروں فائر کرو... بعد میں حسرت نہ رہ جائے۔“

”میرے پاس اس سے ابھی تجویز ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا جیسے۔

”چلو خیر میں وہ سن لیتا ہوں۔“

”تم وہ ڈائری ہمارے حوالے کر دو اور خود کو ہمارے قانون کے حوالے کر دو... تم سے بہت اچھا سلوک کیا جائے گا۔“

”یہ مذاق ہے یا تجویز ہے۔“ جیرال کے لہجہ میں حیرت تھی۔

”میرے خیال میں تو بہت ابھی تجویز ہے۔“

”انسپکٹر کامران میرے پاس وقت کم ہے... سینٹرل کمانڈ کے

جنرل سے میٹنگ کا وقت طے ہے اور اس کے شروع ہونے میں صرف

چند منٹ باقی ہیں... لہذا جو کرنا ہے بس جلد کر لو... ورنہ میں چلا۔“

”کیا کہا انگل جیرال... چند منٹ۔“ مارے حیرت کے فرحت کے منہ سے نکلا۔

”ہاں! چند منٹ باقی ہیں۔“

”یہ کیسے ممکن ہے... لالچ جو آتی نظر آ رہی ہے بلکہ ساحل سے

لگنے والی ہے... بھلا چند منٹ میں وہ آپ کو کہاں لے جائے گی۔“

”اس بات کا جواب انسپکٹر جمشید سے لے لینا... اور اب بس

... میں تو چلا۔"

اسی وقت انہوں نے اچانک حیرال پر فائر جھونک مارا... حیرال اونچا اچھلا اور گولی اس کے پیچھے سے نکل گئی:

"کیا ہمیں بھی اجازت ہے ابا جان؟" آفتاب بلند آواز میں بولا۔

"ہاں! کہیں حضرت حیرال واقعی نہ نکل جائیں... اس سے بہتر

موقع ڈائری حاصل کرنے کا شاید بہتر ملے۔"

"بہت بہتر۔"

اچانک چار پستولوں نے ایک ساتھ گولیاں اگنی شروع کر دیں

... اب حیرال کسی چھلاوے کی طرح اچھلتا نظر آیا... اس کے پیر زمین

پر لگتے نظر نہیں آ رہے تھے۔ یہ فن اس نے اپنے استاد "سنگ ہی" سے

سیکھا تھا... وہی مشہور و معروف سنگ ہی، جس کی سازشوں کا مقابلہ

کرل فریدی، کیپٹن حمید اور علی عمران کیا کرتے تھے۔

آخر کار اڑتالیس گولیاں چلانے یعنی فی پستول بارہ فائرزوں کے

بعد ان کے میگزین خالی ہو گئے... اور یہ بات حیرال نے بھی محسوس

کری۔ اس نے ساحل کی طرف دوڑ لگا دی... وہ اس کے پیچھے دوڑے

... لیکن اس وقت تک درمیانی فاصلہ کافی زیادہ ہو چکا تھا... اور جب

وہ ساحل پر پہنچے... حیرال لالچ میں سوار ہو کر جا چکا تھا... انہوں نے

بھی اس کے پیچھے پانی میں چھلانگیں لگا دیں لیکن بے سود... لالچ کی رفتار بلا کی تیز تھی... اور پھر واقعی چند منٹوں میں نہیں بلکہ چند لمحوں میں وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی... ایسے میں ایک لالچ بائیں طرف سے ساحل کے ساتھ ان کی طرف سے آتی نظر آئی:

"یہ ضرور ہمارے لیے آرہی ہے۔" آصف چلایا۔

"امید کیا ہے۔" انسپٹر کامران مسکرائے۔

ان کی نظریں لالچ پر جم گئیں... انہوں نے اشارہ دینے کے لیے چند بار کیڑے بھی لہرائے...

آخر لالچ ان کے پاس آکر رک گئی:

"کیپٹن مجاہد فرام نیول انجینئرس رپورٹنگ سر۔" لالچ پر موجود بادردی کیپٹن نے بلند آواز میں کہا۔

"شکریہ کیپٹن... ہمیں اس وقت آپ کی مدد کی شدید ضرورت تھی۔"

"تب پھر آپ چاروں لوگ میرے ساتھ آجائیں اور بتائیں کہاں جانا ہے۔"

لالچ اب بالکل ساحل سے آگئی... آن کی آن میں وہ اس پر سوار ہو گئے... اس وقت انسپٹر کامران مرزا نے کہا:

"آپ اس طرف چلیں۔" انسپٹر کامران مرزا فوراً بولے۔

”او کے سر۔“

”لیکن ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ سرکاری طور پر ہماری کوئی مدد نہیں

کی جائے گی... تو پھر یہ سب...“

”سر! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا... مجھے اوپر سے

ہدایات ملی تھیں کہ مجھے آپ تک پہنچنا ہے... سو میں آگیا...“

”لیکن کیہن! آپ نے ہمیں پہچانا کیسے...“

”آپ لوگوں کو سب ہی پہچانتے ہیں سر! اور میں تو ویسے ہی

آپ لوگوں کا مداح ہوں...“

”او کے... صرف پانچ منٹ پہلے ہمارے دشمن لائچ پر سیدھے

ہی گئے ہیں... کیا ہم اسے پکڑ سکیں گے...“

”کہہ نہیں سکتا... اگر وہ لائچ ہمارے اس لائچ کی نسبت طاقتور

ہے، تب تو ہم نہیں پہنچ سکیں گے...“

”خیر آپ چلیں تو...“ انہوں نے منہ ہٹایا۔

اسی وقت فرحت نے چونک کر کہا:

”اور وہ کیا بات ہے... جو آپ کو اکل جمشید سے معلوم کرنی

ہے... جبرال نے جب یہ کہا تھا کہ اسے چند منٹ میٹنگ والی جگہ پر پہنچنا

ہے تو ہم نے حیران ہو کر پوچھا تھا... یہ کیسے ممکن ہے... یہ لائچ چند

منٹ میں بھلا آپ کو کہاں پہنچا دے گی تو اس کے جواب میں اس نے

عجیب بات کہی تھی... اس سوال کا جواب انسپکٹر جمشید سے لے لیتا...“

”سوال کا جواب مجھے معلوم ہے... ویسے تم کہو تو میں ان سے

پوچھ لیتا ہوں...“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”یوں مزہ نہیں آئے گا... آپ ہمیں بتا دیں... پھر ان سے

پوچھ لیتے ہیں...“

”اچھی بات ہے، سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں سے چند منٹ

کے فاصلے پر کوئی جزیرہ ہے... وہ میٹنگ اس جزیرے پر ہونی ہے...“

”اوہ!“ ان کے منہ سے نکلا۔

”کیا خیال ہے... ان سے پوچھیں...“

”ہاں! مزہ رہے گا اس بارے میں انہیں بھی علم ہو جائے گا...“

”اچھی بات ہے...“ انہوں نے کہا اور انسپکٹر جمشید کا نمبر ملایا...

سلسلہ فوراً ہی مل گیا اور ان کی چمکتی آواز سنائی دی:

”گلتا ہے، کوئی خاص بات معلوم کرنے کے لیے فون کیا ہے...“

”آپ کا خیال درست ہے اور اس بات کا جواب مجھے معلوم

بھی ہے... لیکن یہ بچے چاہتے تھے کہ میں آپ سے بھی پوچھوں...“

وہ ہنسے۔

”اچھی بات ہے ... سوال کیا ہے۔“

”سوال سے پہلے آپ کے علم میں یہ اہم بات لانا بہت ضروری

ہے کہ جیرال واپس آچکا ہے۔“

”کیا!!! اوہ ... ارے“ انسپکٹر جمشید اپنی حیرت پر قابو نہ پاسکے۔

”ہم بھی اتنے ہی حیران ہوئے تھے یہ بات سن کر۔“

”موجودہ حالات میں یہ بے حد اہم خبر ہے۔ اور انتہائی

حیرت انگیز بھی۔“

”ہم بھی شک میں مبتلا رہے اگر ہمارا اس سے ایک مقابلہ نہ ہو

چکا ہوتا۔“

”ارے واہ! تو معاملہ اس قدر آگے بڑھ گیا ہے۔“

”اور ہمیں یقین ہے کہ وہ جیرال ہی ہے ... ورنہ شکل و صورت

تو میک اپ سے بھی تبدیل کی جاسکتی ہے۔ لیکن لڑائی بھرائی کا انداز

اپنا کافی ٹیڑھا کام ہے۔“

”اب وہ کہاں ہے ... میرا مطلب ہے ... جیرال؟“

”پہلے جس منظر بتانا ہوگا۔“ یہ کہہ کر کامران مرزا نے تفصیل سنا

دی ... پھر بولے ... ”اب بتائیے ہمارے اس بے آہاد سائل سے آخر

جیرال چند منٹ میں کہاں جاسکے گا بھلا اور وہاں اسے کسی میننگ

میں شریک ہونا ہے۔“

”ہمارے ملک کی سمندری حدود سے لٹکتے ہی کسی نزدیک ترین

جزیرے میں۔“ انسپکٹر جمشید ہنسنے۔

”میں نے بھی ان تینوں کو یہی بتایا تھا۔“

”کیا خیال ہے ... جیرال کا معاملہ ہے، ہم لوگ بھی آجائیں۔“

”لیکن اتنا وقت کہاں ہے ... جزیرے تک ہم تو پہنچ سکتے

ہیں، آپ لوگ جب پہنچیں گے تو کہانی تو ختم ہو چکی ہوگی۔“

”آپ کا مطلب ہے ... آپ جیرال سے وہ ڈائری حاصل کر

چکے ہوں گے اور اسے گرفتار بھی کر چکے ہوں گے۔“

”میں یہ تو نہیں کہہ سکتا ... ہو سکتا ہے ... وہ نکل جائے ...

کیونکہ آخر وہ بھی جیرال ہے۔“

”آپ کی بات ٹھیک ہے ... ہم نہیں پہنچ سکیں گے ... اب رہا

یہ سوال کہ وہ جزیرہ یہاں سے کس سمت میں ہے ... یہ منور علی خان

زیادہ بہتر طور پر بتا سکیں گے۔“

”اوہ ہاں! واقعی ... شکریہ! پہلے میں ان سے بات کر لوں، پھر

آپ سے بات کرتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“

فون بند کر کے انہوں نے منور علی خان سے رابطہ کیا ... ان کی آواز سنائی دی ... تو انہوں نے جلدی جلدی صورت حال بتائی ... جواب میں انہوں نے کہا:

”میں تو اس وقت کافی دور ہوں ... دو تین گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکتا ... جزیرے کے بارے میں البتہ بتا دیتا ہوں۔“

”فی الحال ضرورت بھی اسی بات کی ہے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”بہت اچھا ... صرف ایک منٹ بعد بتاتا ہوں۔“

انہوں نے موبائل آن ہی رکھا ... پھر ایک منٹ بعد انہوں نے سمت بتا دی۔

اب ان کی لالچ کا رخ اس سمت میں ہو گیا ... لالچ کی رفتار بے انتہا

تیز تھی ... عام رفتار سے سمندری حدود سے باہر نکلنے میں کم از کم دو گھنٹے

لگتے لیکن صرف چالیس منٹ بعد ہی انہیں جزیرہ نظر آ گیا ... جزیرہ کیا تھا،

سمندر سے ابھری ہوئی ایک چٹان سی تھی ... اس کے ساحل پر وہ لالچ بھی

موجود تھی، اس لالچ کو دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق آ گئی ... ساتھ ہی

فرحت نے چوہک کر کہا:

”لال ... لیکن۔“

”کیا اس وقت اس لیکن کی خاص ضرورت ہے۔“

”ہاں! جہاں نے خود ہی ہمیں یہاں آنے کا اشارہ دیا ہے ... گویا

وہ ہمارے استقبال کے لیے تیار ہوگا ... پہلے ہم نے ٹیلوں کی اوٹ لے رکھی تھی ... اب اس کے آدمیوں نے اس جزیرے پر پوزیشن سنبھال رکھی ہوگی ... اور ہم اس طرح سے ان کی زد پر ہوں گے۔“

”اوہ!“ آفتاب اور آصف کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھا ... ان کے چہرے پر

ایک سنجیدہ مسکراہٹ تھی ... ساتھ ہی وہ بولے:

”فرحت کا خیال بالکل ٹھیک ہے۔“

ایسے میں ایک آواز گونجی:

☆☆☆☆☆

سو فیصد

"تم لوگوں کا خیال درست ہے... اب تم پوری طرح میرے ساتھیوں کی زد پر ہو... تم بھول گئے اننگلز کا مران مرزا... لیکن شاید اننگلز جیشید پارٹی نہیں بھولی ہوگی کہ جزیروں سے میرا بہت گہرا تعلق ہے... سمندر میں جہاں جہاں جزیرے موجود ہیں... وہ میری پہنچ میں ہیں... اسی لیے میں تم لوگوں کو اس جزیرے کی طرف گھیر لایا ہوں۔ میں نے سنا ہے... تم لوگوں کو بھی جزیروں سے بہت دلچسپی ہے... لو اب اس جزیرے کی خوب سیر کرنا... ہم تو تمہیں یہاں ملیں گے نہیں... یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔"

یہ آواز جیرال کی تھی... آفتاب نے فوراً بلند آواز منہ سے نکالی :
"ایسا بھی کیا انگل... ہم آپ سے دو دو ہاتھ نہیں کر سکے اور آپ جا رہے ہیں..." اس کے لہجے میں طعنا تھا۔

"مقابلہ پھر کبھی کریں گے، اس وقت تو مجھے یہ ڈاڑھی آگے

پہچانی ہے۔"

"آگے سے کیا مراد..." آصف فوراً بولا۔

"بھئی ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی... کیا سمجھے۔"

"آپ کی مرضی... ویسے مایوسی ہوئی... ہم تو سمجھ رہے تھے

... اس جزیرے پر خوب معرکہ رہے گا۔"

"معرکہ بھی رہے گا... جب تم لوگ ہو... یونہی تو نہیں چلا

جاؤں گا... اچھا بس... اب میں چلا ہوں۔ ہاں جاتے جاتے مجھے

رضعت ہوتے دیکھنا چاہتے ہو تو جزیرے کے درمیان میں آجاؤ... رہو

مے تم زد پر ہی۔" اس کے بعد جیرال کی آواز بند ہو گئی۔"

انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... جزیرے کی طرف دوڑ پڑے اور

جب ساحل سے کافی آگے آگئے تب انہوں نے ایک ہولناک دھماکا سنا

... وہ بڑی طرح اچھلے... مڑکر دیکھا تو ان کی لالچ کے ٹکڑے فضا میں

بلند ہو رہے تھے... پھر انہوں نے ٹکڑے پانی میں گرتے دیکھے...

کیپٹن مجاہد بھی ان کے ساتھ ساحل پر اتر آیا تھا... ورنہ اس کے بھی

ٹکڑے اڑ گئے تھے :

"یہ کیا کیا مسٹر جیرال... " فرحت چلائی۔

"بھئی دیکھا... میں نے تم لوگوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا... تم نے

تو پھر مجھ پر گولیاں برسائی ہیں... اور اگر کوئی گولی مجھے لگ جاتی تو میں اس وقت تم سے بات چیت نہ کر رہا ہوتا... اچھا میں چلا... میرے پاس وقت کم ہے۔“

”اتنا تو بتاتے جاکیں مسٹر جیرال... آپ سے اب کہاں ملاقات ہوگی۔“

”کسی ساحل پر... یا کسی جزیرے پر ہم ضرور ملاقات کریں گے اور وہ ملاقات ایک یادگار ملاقات ہوگی... مدتوں یاد رہے گی۔“

”لیکن اس ملاقات کا بھلا کیا فائدہ ہوگا... یہ ڈائری تو کہیں اور چاٹکی ہوگی۔“

”اسی کے لیے میں اس وقت جھڑپ مول نہیں لے رہا... اسے وہاں پہنچانا ضروری ہے جہاں کی بات طے ہو چکی ہے... اب بس۔“

اس کے بعد اس کی آواز سنائی نہ دی... وہ جزیرے کے درمیانی حصے کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ وہاں کوئی نظر نہ آیا... انہوں نے جزیرے

کے دوسری طرف کے ساحل کی طرف دوڑ لگا دی... جب وہ ساحل کے کنارے پر پہنچے تو انہوں نے دور بہت دور جیرال کی لالچ کو جاتے

دیکھا... اس نے بھی انہیں ساحل پر آتے دیکھ لیا... بھڑانا کرنے انداز میں ہاتھ ہلانے لگا... اور وہ اس کی طرف دیکھتے رہ گئے۔

پھر اچانک انسپکٹر کامران مرزا کے جسم کو ایک جھٹکا لگا... انہوں نے فوراً انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے... سلسلہ ملتے ہی بولے:

”جیرال ڈائری لے کر نکل گیا... لیکن وہ اس وقت ہمارے ملک کی سمندری حدود سے زیادہ دور نہیں ہے... اور کوشش کی جائے تو اسے روکا جاسکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے... آپ لوکیشن بتائیں... ہم اس کا راستہ روکنے کی کوشش کریں گے۔“

انسپکٹر کامران مرزا نے تفصیل بتا دی کہ وہ کہاں ہیں اور وہاں سے جیرال لالچ میں کس طرف گیا ہے...“

”بس ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی... اور فون بند ہو گیا۔

”لیکن کیوں ابا جان... ہم بھی تو پہلی کاپر اور لالچوں کی مدد سے اسے روکنے کی کوشش کر سکتے تھے۔“ آفتاب نے سوال کیا۔

”ہاں... لیکن فوری طور پر ہم اس پوزیشن میں نہیں ہیں... واپس ساحل پر پہنچنے میں ہمیں بہت زیادہ وقت لگ سکتا ہے جب کہ ہم انسپکٹر

جمشید کو سوہنے کی صورت میں ڈائری حاصل کرنے کے امکانات ہیں۔“

”اور ہم... ہم اب کیا کریں گے۔“

”ظاہر ہے کہ ہم یہاں سے واپس چلیں گے ... اس کے بعد صورتحال معلوم کریں گے اور ضروری ہوا تو جہاں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوں گے۔“

”یہی ہم بھی چاہتے ہیں انکل۔“ فرحت پر جوش لہجے میں بولی۔
 ”مجھے اندازہ ہے فرحت...“ وہ مسکرائے اور پھر آئی جی صاحب کو فون کرنے لگے۔ جلد ہی سلسلہ مل گیا۔ انہوں نے اپنی صورتحال بتائی۔ اس طرح تقریباً ایک گھنٹے بعد بحریہ کی ایک بڑی لانچ جزیرے کے ساحل پر آگئی۔ وہ اس میں سوار ہو گئے۔ ساحل سمندر پر پہنچے تو آئی جی صاحب اپنی جیب میں ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ وہ جیب میں بیٹھ گئے۔ کیپٹن مجاہد الگ روانہ ہو گیا۔ وہ آئی جی صاحب کو تفصیل سناتے گئے۔ ان کے خاموش ہونے پر آئی جی صاحب نے کہا:

”جب پھر انسپکٹر جمشید سے معلوم کرتے ہیں...“

کامران مرزا نے انسپکٹر جمشید کے نمبر ڈائل کیے۔ دوسری طرف سے فوراً جواب ملا:

”ہم اس وقت سمندر کے اوپر ہیں۔۔۔ نیلی کاہر میں سے دور دور تک سمندروں کا جائزہ لے رہے ہیں۔۔۔ لیکن جہاں کی لانچ کا ابھی

تک کوئی سراغ نہیں ملا...“

”اوہ!“ مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

”اب کیا ہوگا انکل۔“ آفتاب بلند آواز میں بولا۔

”وہی ہوگا آفتاب... جو اللہ کو منظور ہوگا۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں... واقعی وہی ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔“ آفتاب نے مسکرا کر کہا۔

”کیا آپ چاروں نیلی کاہر میں ہیں۔“ آصف چلایا۔

”ہاں! اور تم لوگوں کی کمی محسوس کر رہے ہیں۔“ دوسری طرف سے محمود کی آواز سنائی دی۔

”کاش ہمارا بھی پروگرام بن جائے۔“ فرحت بول اٹھی۔

”آمین!“ فرزانہ کی آواز ابھری۔

”ایک آئین بھری طرف سے بھی۔“ فاروق کی آواز سنائی دی۔

”ایک اور امکان کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔“ انسپکٹر کامران مرزا

بولے۔

”اور وہ کیا؟“

”یہ کہ جہاں جس لانچ پر فرار ہوا ہے... وہ ایک آبدوز بھی تھی۔“

”اوہ اوہ۔“ انسپکٹر جمشید نے مارے حیرت کے کہا... پھر بولے:

”ضرور ایسا ہی ہے ... اب ہم آبدوزوں کے ذریعے انہیں تلاش کریں گے۔“

”اور جوئی ان کا سراغ ملا ... تو ہمیں اطلاع کر دیں ... ہم بھی چلے آئیں گے۔“

”اچھی بات ہے ... فکر نہ کریں ... فی الحال تو آبدوزوں کے ذریعے سراغ لگانے کی کوشش کی جائے گی۔“ یہ کہہ کر انہوں نے موبائل بند کر دیا۔

وہ گھر پہنچے ... آئی جی صاحب انہیں اتار کر چلے گئے۔ اسی وقت ان کے موبائل کی کھنٹی بجی ... انہوں نے اسکرین پر نظر ڈالی تو انسپکٹر جمشید کی بجائے ”نامعلوم“ (UNKNOWN) نمبر لکھا نظر آیا:

”اوہو ... یہ کیا ... میرا تو خیال تھا کہ یہ فون انسپکٹر جمشید کا ہوگا، لیکن شاید یہ ہے جہرال کا۔“

”ارے باپ رے۔“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

ادھر انہوں نے موبائل آن کر دیا ... دوسری طرف سے واقعی جہرال کی آواز سنائی دی ... وہ پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا:

”میرے مقابلے میں شوکی برادرز ناکام ہو گئے، پھر اس کے بعد انسپکٹر کامران مرزا بھی شکست کھا گئے اور اب باری ہے انسپکٹر جمشید کی

... انسپکٹر جمشید اس وقت سمندر کا سینہ چر رہے ہیں ... گویا بھوسے کے ڈھیر سے سوئی تلاش کر رہے ہیں ... میں سمندر میں نہ جانے کہاں کا کہاں نکل چکا ہوں ... میرا مطلب ہے ... انسپکٹر جمشید میری گرد کو بھی نہیں پائیں گے، اگرچہ سمندر میں گرد نام کی کوئی چیز ویسے بھی نہیں ہوتی ... لہذا اپنے بے چارے ساتھیوں کو روک لیں، بلاوجہ طاقت ضائع کر رہے ہیں ... بلاوجہ قوی خزانے کا پیسہ خرچ کر رہے ہیں ... میں ان کے ہاتھ گلے والا نہیں۔“

”اچھی بات ہے ... میں آپ کا پیغام انہیں دے دیتا ہوں۔“

یہ کہہ کر انہوں نے موبائل بند کر دیا اور ان کی طرف دیکھنے لگے:

”کیا بات ہے ... آپ انہیں فون نہیں کر رہے۔“

”پہلے یہ دیکھنا ہوگا ... جہرال نے یہ فون ہمیں کیوں کیا ...

انسپکٹر جمشید کو کیوں نہیں کیا۔“

”جی ... کیا مطلب؟“

”میرا ایک اندازہ ہے ... پہلے میں کانڈ پر دو لکھ لوں ... پھر

انہیں فون کروں گا۔“

”جی ... کیا مطلب؟“ وہ حیران ہو کر بولے۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ جیب سے نوٹ بک نکال کر کچھ

لکھا اور نوٹ بک جیب میں رکھ لی ... پھر انسپکٹر جمشید کے نمبر مائے ... اور اٹھیکر آن کر دیا ... ان کی طرف سے فوراً جواب ملا تو انہوں نے کہا :
 "جبرال کی طرف سے ہمیں کہا گیا ہے کہ وہ دور نکل گیا ہے ...
 اس لئے اس کی تلاش ترک کر دی جائے ... آپ اس بات سے بھلا کیا
 نتیجہ نکالتے ہیں ۔"

"خوشی کا نتیجہ ۔" وہ ہنس کر بولے ۔

"جی ... کیا کہا آپ نے خوشی کا نتیجہ ۔" فاروق کی حیرت میں
 ڈوبی آواز سنائی دی ۔

"ہاں فاروق ! میں نے یہی کہا ہے ... کیوں کیا بات ہے ۔"

"مم ... میرا مطلب ہے ، یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے ۔"

"ہاں شاید ! لیکن پھر بھی ... یہ کسی جاسوسی ناول کا نام کم از کم
 نہیں ہو سکتا ... آصف کی آواز ابھری ۔

"دھت تیرے کی ... یار سمندر میں تو سمجیدہ ہو جاؤ ۔" آفتاب
 نے جھلا کر کہا ۔

"کیوں ... کیا سمندر پھوٹ پھوٹ کر ہنسا شروع کر دے گا ۔"

"ایک منٹ ... پہلے ہمیں اپنی بات مکمل کرنے دو ، اس وقت کا

سوال یہ ہے کہ جبرال نے یہ بات براہ راست ہم سے کیوں نہیں کہی ...

آپ سے کیوں کہا کہ ہمیں جبرال کا پیغام پہنچا دیں ۔" کامران مرزا
 نے معنی خیز انداز میں کہا ۔

"اس لئے کہ جبرال کے خیال میں اس وقت اس معاملے کے
 انچارج ہم لوگ ہیں ... اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اگر ہم آپ سے یہ کہیں
 گے کہ آپ اس کی تلاش ترک کر کے واپس آ جائیں تو آپ ہماری بات
 مان لیں گے ... اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جبرال ہماری لائنوں
 کے گھیرے میں ہے ... اور چاہتا ہے ... ہم اس کی باتوں میں آ جائیں
 اور وہ کسی طرف سے نکل جائے ۔"

"ضرور یہی بات ہے اور آپ فکر نہ کریں ... ہم اسے نکلنے کا
 راستہ نہیں دیں گے ... ہماری بحری افواج کی جاسوس آبدوزوں کی
 نظروں سے بچ کر نکلنا ناممکن ہے ... اپنی آبدوز میں وہ ہمیں کوئی
 نقصان نہیں پہنچا سکتا ... سوائے اس کے کہ کسی طرح بچ کر نکل جانے کی
 کوشش کرے کیونکہ آخر وہ جبرال ہے ۔ جبرال نے آپ کو فون اسی لیے
 کیا ہے ... اذکے ..."

اور انہوں نے فون بند کر دیا ... انسپکٹر کامران مرزا نے جیب سے
 کاغذ نکال کر ان کی طرف کر دیا ۔ اس پر لکھا تھا :

"جبرال دراصل گھیرے میں آ گیا ہے ... ہمیں باتوں میں الجھا

کر کسی طرف نکل جانے کے لیے اس نے براہ راست انسپکٹر جمشید کو نہیں بلکہ ہمیں فون کیا ہے۔

یہ تحریر پڑھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... یعنی انسپکٹر کامران مرزا نے سو فیصد وہی نتیجہ نکالا تھا جو انسپکٹر جمشید نے...

"پھر اب کیا پروگرام ہے انکل؟" آصف نے پر جوش انداز

میں پوچھا۔

"شاید ہمیں ملک کے مغربی حصے کا سفر کرنا پڑے... کیونکہ اب جیرال پھنس گیا ہے... سمندر کی راستے سے فرار نہیں ہو سکے گا، اس لیے مجبوراً کسی دیران ساحل پر اتر کر ہمارے ہی ملک میں کہیں چھپنے کی کوشش کرے گا... اس کا اصل مسئلہ ہے ڈائری... اسے وہ ڈائری ان لوگوں تک پہنچانی ہے، جن سے اس نے رقم وصول کی ہے... لیکن اس طرف جانے سے پہلے ہم انسپکٹر جمشید سے مشورہ کر لیں گے..."

"بہت خوب پھر تو مزہ رہے گا... کیوں نہ ہم شوکی برادرز کو بھی اس طرف پہنچنے کی دعوت دے دیں... یہ معاملہ دراصل ان کی طرف سے شروع ہوا ہے... لہذا وہ بھی وہاں ہوں تو زیادہ مزہ رہے گا..."

"اس بات کا انحصار جیرال کی وہاں موجودگی پر ہے... اور ہمیں چند گھنٹے تک ہکی اطلاع مل جائے گی..."

"چلیے خیر... ان کی طرف سے اطلاع آنے پر ہم فیصلہ کر لیں گے، لیکن انہیں بھی اگر تیار رہنے کا اشارہ دے دیں تو کیا حرج ہے..." آفتاب بولا۔

انسپکٹر کامران مرزا مسکرا دیے... انہوں نے کہا: "اچھی بات ہے... تم صورت حال انہیں بتا دو..."

اجازت ملتے ہی آفتاب نے شوکی برادرز کا نمبر ملایا... شوکی نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا: "جیرال کا کیا بنا..."

"وہ اس وقت مغربی حدود میں ہے اور سمندر کے نیچے کہیں موجود ہے... اطلاع یہ ہے کہ نیوی کی آبدوزوں نے اسے گھیر لیا ہے... وہ ان کے گھیرے سے نکلنے کی سرٹوز کوشش کر رہا ہے... اب یہ چونکہ آبدوزوں کا کھیل ہے... لہذا جیرال کچھ نہیں کر سکتا... آبدوزوں کے عملے کی مہارت کا سوال ہے... انکل جمشید کا خیال ہے کہ وہ اسے اب نکلنے نہیں دیں گے... زیادہ سے زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ مغربی حصے کے کسی دیران ساحل پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا اور اس کے بعد وہ ملک میں ہی کہیں چھپنے کی کوشش کرے گا... کیونکہ اس وقت تک تمام بحری راستوں کی ناکہ بندی ہو چکی ہوگی... اصل مسئلہ ڈائری کا ہے... وہ اس ڈائری کو ان طاقتوں تک پہنچانا چاہتا ہے...

جن سے اس نے رقم وصول کی ہے ... جب کہ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس ڈائری میں آخر ہے کیا ... لہذا ملک کے مغربی حصے میں خوب معرکہ رہے گا ... ہم لوگ بھی اس طرف جانے کے لیے پرتول چکے ہیں ... جو بھی اٹکل کی طرف سے یہ اطلاع ملے گی ، پرواز کر جائیں گے ... تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے ۔

”ہم ...“ شوکی برادرز کے منہ سے پریشانی کے عالم میں نکلا۔
 ”ہاں ! تم ... کیوں کیا تم اتنی جی دیر میں کسی اور کیس میں الجھ گئے ہو۔“

”نہن ... نہیں ... یہ بات نہیں۔“ شوکی ہکھلایا۔
 ”تو پھر کیا بات ہے ... جو بات ہے ، وہ بتاؤ نا۔“
 ”وہ ... وہ ... وہ۔“ شوکی پھر ہکھلایا۔

”مطلب یہ کہ تم جبرال سے ڈر رہے ہو اور نہیں آنا چاہتے ... تو نہ آؤ ... بھاڑ میں جاؤ ... ہم خود ہی بہت لیس کے۔“
 ”نہیں بھئی ... یہ بات نہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا درمیان میں بول اٹھے۔

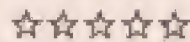
”جی ... کیا مطلب ... تو پھر کیا بات ہے۔“
 ”شوکی سے کہہ دو کہ ہم تمہیں سرکاری خرچ پر بلائیں گے ...

بس یہ ہماری طرف سے اس اطلاع کا انتظار کر لیں کہ جبرال کہیں ملک سے فرار تو نہیں ہو گیا ... کیونکہ اس صورت میں پروگرام کسی اور کروٹ بیٹھے گا۔“

”اچھی بات ہے ابا جان۔“ آفتاب نے کہا اور پھر شوکی کو تفصیل بتانے لگا ... اس کے خاموش ہونے پر شوکی نے کہا :

”لال ... لیکن ایک شرط ہے ... ہم یہ رقم بطور قرض وصول کریں گے۔“
 ”اوہو اچھا بھائی ... یونہی سہی ... بس تم تیاری کرو۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا ... اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا کے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ انہوں نے دیکھا ... فون انسپکٹر جمشید کا تھا :



لاٹچ والا

وہ کہہ رہے تھے :

”اللہ کی مہربانی سے ہم نے جیرال کو اپنے ملک کی سمندری حدود سے باہر نہیں نکلنے دیا ... اور اب اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ ہمارے ہی ملک کے کسی ساحل یا جزیرے پر اترے ... اور یہ اس طرح ممکن ہوا کامران مرزا ... کہ آپ کا فون ملنے کے ساتھ ہی ہم نے اپنی سمندری حدود کی نگرانی پر جنگی لائچیں اور آبدوزیں مقرر کر دیں ... جیرال آبدوز میں بیٹھا کچھ کرنے کے قابل نہیں تھا ... اب اسے جو راستہ ملا، وہ صرف ہمارے ساحل کی طرف لے جاتا تھا۔ ہم میزائل فائر کر کے اس کی آبدوز لاٹچ کو تباہ کر سکتے تھے ... لیکن اس صورت میں وہ ڈائری ہمیں نہ ملتی اور ہم اس کا راز کبھی نہ جان پاتے ... اب بہر حال جیرال ہمارے ملک میں ہی کہیں ہے ... تمام سمندری حدود کی خاص ناکہ بندی کر دی گئی ہے ... اور مجھے برابر

رپورٹیں دی جا رہی ہیں ... زیادہ امکان یہ ہے کہ فوری طور پر جیرال نکلنے کی کوشش نہیں کرے گا ... حالات معمول پر آنے کا انتظار کرے گا اور اس مدت کے دوران ہمیں اس تک پہنچنا ہے ... یوں راستے تو اس مدت کے بعد بھی اس کے لیے بند ہی رہیں گے ... لیکن وہ بھی آخر جیرال ہے ... نکلنے کی منصوبہ بندی کرے گا ... اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اپنے منصوبے میں کامیاب رہتا ہے یا ہم ... لیکن ایک حیرت انگیز بات سامنے آئی ہے ...“

”وہ کیا؟“ کامران مرزا چونکے۔

”جیرال جس آبدوز میں سفر کر رہا ہے وہ اچانک ہمارے ریڈار سے غائب ہو گئی ہے ...“

”اوہ ... لیکن کیسے؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے زمین کھا گئی یا آسمان نکل گیا۔“

”جہاں تک مجھے علم ہے کہ ایسا ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ

آبدوز سمندر کی تہ میں ریت کے نیچے کم از کم تین فٹ نیچے دب جائے جہاں ریڈار کے سگنل اس تک نہ پہنچ پائیں ...“

”ایسے آثار بھی کہیں نظر نہیں آئے ... انٹرا ریڈ شعاعوں اور سمندر

کی تہوں میں دھاتوں کی تلاش کرنے والے آلات کے ذریعے بھی اسے

ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی اور اب بحریہ کی انجینئرس والوں کا کہنا ہے کہ سمندر کی تہ کے نیچے آبدوز کے پائے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

”یہ تو بے حد پریشان کن بات ہے کہ جبرال کی آبدوز ہماری سمندری حدود میں کہیں موجود ہے اور ہم اسے تلاش نہیں کر پا رہے ہیں۔“
کامران مرزا کے لہجے میں بلا کی سنجیدگی تھی۔

”بہر حال آپ کو ادھر آنے کی دعوت ہے ... کیونکہ مقابلہ بہر حال جبرال سے ہے ... اور ہاں شوکی برادرز کو بھی فون کر دیں ... ان کی موجودگی بھی مددگار رہے گی۔“

”میں انہیں فون کر چکا ہوں ... وہ آنے کے لیے تیار بیٹھے ہوں گے۔“
”بس ٹھیک ہے ... جبرال سے بننے کیلئے ہمیں زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہے ... ہم تین پارٹیوں میں خود کو تقسیم کر لیں گے ... میں خان رحمان اور پروفیسر داؤد کو بلانے کیلئے فون کر رہا ہوں ، آپ منور علی خان کو اطلاع کر دیں ... کیونکہ یہ بازی ہمارے لئے بھی آسان نہیں ہوگی ... دشمن نے ہم پر اچانک وار کیا ہے اور نہایت بھرپور کیا ہے ... اور دشمن بھی کون ... جبرال ... اس لیے ہمیں دشمن کے مقابلے میں مکمل تیاری کی ضرورت ہوگی۔“

”ٹھیک ہے ... میں منور علی خان کو بھی فون کر دیتا ہوں۔“

فون بند کر کے اب انہوں نے چلنے کی تیاری شروع کر دی ... شوکی برادرز کیلئے ہوائی جہاز کے اسی ٹکٹ ہوا کر ان کو اسی میل کر دیئے گئے ... اس وقت آفتاب بولا:

”کیوں نہ ہم کسی اور گیٹ اپ میں چلیں ... دارالحکومت میں پہنچ کر کسی ہوٹل میں ٹھہریں اور اپنے طور پر جبرال کی تلاش شروع کر دیں۔“
”یہ زیادہ مزے دار تجویز ہے۔“ کامران مرزا نے خوش ہو کر کہا۔
اب انہوں نے میک اپ شروع کیا ... سب کے چہرے بالکل بدل کر رکھ دیئے ... لباس بھی تبدیل کر لیے ... کامران مرزا نے میک اپ کرنے میں اپنا پورا زور لگا دیا ... تاکہ کوئی بھی انہیں پہچان نہ سکے ... انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ دارالحکومت پہنچ کر انسپکٹر جمشید پارٹی سے رابطہ بھی نہیں کریں گے ... انہیں بتائیں گے بھی نہیں کہ وہ ان کی طرف آگئے ہیں۔

اسی شام وہ ہوائی جہاز کے ذریعے دارالحکومت پہنچ گئے ... فائبر اشار ہوٹل غومرا میں ان کے لیے کمرے پہلے ہی بک کر لیے گئے تھے ... وہ نوابزادہ کرمانی کے نام سے آئے تھے ... گویا اب کامران مرزا کا نام نوابزادہ کرمانی تھا ... آفتاب کو فوزی کا نام دیا گیا تھا جب کہ آصف اور فرحت ، آصف جاہ اور نور جہاں بن چکے تھے ۔ انہیں فوری طور

پر ان کے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ کمروں کے نمبر 200 اور 201 تھے :
 ” انہیں حیرت تو ہو گی، جب ہمارا فون موصول نہیں ہوگا۔“
 آفتاب مسکرایا۔

” میرا خیال ہے ... نہیں ہوگی۔“

” ہاں! یہی بات ہے اور یہ اس لئے کہ ہم تینوں پارٹیوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ جبرال کہاں ہے اور نہ یہ کہ وہ کہاں سے اور کس رخ سے ہم پر وار کر سکتا ہے اور ان حالات میں اس سے بہتر حکمت عملی کوئی نہیں ہو سکتی کہ جبرال کی نظروں سے اوجھل رہ کر کام کیا جائے۔“
 وہ ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ گئے۔

” اوہ ... اوہ۔“

” کیونکہ جبرال کو بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ ہم کہاں ہیں۔“

فرحت مسکرائی۔

” جبرال کے لیے ملک سے نکلنے کے تمام سمندری راستے بند ہیں۔ لے دے کر اس کے پاس ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے ... کسی دیران ساحل سے کسی جزیرے تک پہنچ جائے اور پھر وہاں سے وہ طاقتیں اسے لے اڑیں جنہوں نے اسے اس کام پر مقرر کیا ہے اور اگر مہری یادداشت جواب نہیں دے سکی تو یہاں ایک ہی جزیرہ ایسا ہے ...

جس کا رخ جبرال کرے گا۔“

” اور ... وہ ... وہ کون سا جزیرہ ہے۔“

” موت کا جزیرہ۔“ ان کے منہ سے نکلا۔

” اوہ ... اوہ ... آپ کا مطلب ہے ... جب جبرال زندگی میں پہلی بار ہمارے ملک میں آیا تھا ... اور انکل جمشید سے ٹکرایا تھا تو اس جزیرے کی طرف بھاگ نکلا تھا ... وہیں ان لوگوں کا اس سے ٹکراؤ ہوا تھا۔“
 ” ہاں یہی بات ہے ... اور میرا خیال ہے ... ہمیں اسی طرف کا رخ کرنا ہوگا۔ لیکن ہم اپنے اصل گیٹ اپ میں نہیں ہیں ... اور نہ اپنی شناخت ظاہر کر سکتے ہیں اور اسی لئے حکومت سے باقاعدہ مدد بھی نہیں لے سکتے ... اور نہ اسپیکر جمشید کی طرح ہمارے پاس کوئی خفیہ فورس ہے ... لہذا ہمیں کرائے کی کسی لائسنس کے ذریعے سفر کرنا ہوگا۔“
 ” کیا خیال ہے، تو اسی وقت چلتے ہیں۔“ آصف بولا۔

” اس وقت ممکن نہیں ہوگا ... یہ یہاں کے ساحل سمندر پر پانی کے چڑھنے کا وقت ہے ... مون سون کا زمانہ ہے ... سیر کرائے والی چھوٹی لائسنس سمندر کی اونچی اور بے ترتیب لہروں کا سامنا نہیں کر پائیں گی ... اور شاید الٹ ہی جائیں ... ویسے بھی اس وقت کوئی لائسنس والا سمندر میں اپنی لائسنس لے جانے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ لہذا جزیرے کی تلاش

والا معاملہ صبح پر رکھنا ہوگا۔“ کامران مرزا روانی میں کہتے چلے گئے۔

”بالکل ٹھیک۔“

پھر صبح سویرے انہوں نے اپنے کمروں کو تالے لگائے اور نیچے ہوٹل کی لابی میں نکل آئے۔۔۔ یہاں آکر انہوں نے ہلکا پھلکا ناشتہ کیا۔۔۔ پھر استقبالیہ کاؤنٹر سے ہوٹل کی کار ریفل سروس کی گاڑی ڈرائیور سمیت پورے دن کیلئے حاصل کی اور اس کے ذریعے وہ ساحل سمندر پہنچے۔۔۔ ساحل پر بے شمار لائیں کرائے کے لیے کھڑی نظر آئیں۔۔۔ یہ ایک تفریحی ساحل تھا۔۔۔ لوگ یہاں سے لائیں پر بیٹھ کر سمندر کی سیر کرتے تھے۔۔۔ وہ ٹیکسی سے اترے ہی تھے کہ ایک شخص تیزی سے ان کی طرف آیا:

”لاٹھی چاہیے سر۔“

انہوں نے اس پر ایک نظر ڈالی۔۔۔ پہلی ہی نظر میں وہ انہیں غلط آدمی نظر آیا۔۔۔ وہ دل میں مسکرا دیئے اور بولے:

”بالکل چاہیے۔“

”ایک گھنٹے کی سیر کے دو ہزار روپے ہوں گے۔“

”کیا یہ زیادہ نہیں؟“ انہوں نے اس لیے کہا کہ سیر کے لیے

آنے والے پہلے خوب مول تول کرتے ہیں۔“

”چلیے آپ چند سو روپے فی گھنٹہ دے دیجیے گا۔۔۔“

”اور ہمیں اس سے زیادہ دیر بھی لگ سکتی ہے۔“

”آپ فی گھنٹہ چند سو روپے دے دیجیے گا۔۔۔ چاہے واپس

آتے آتے رات ہی کیوں نہ ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔ آئیے۔“

وہ ان کے لیے لاٹھی بالکل کنارے پر لے آیا۔۔۔ پھر لکڑی کے ایک تختے کے ذریعے وہ لاٹھی تک پہنچے۔۔۔ لاٹھی کا انجن چلا اور پھر سمندر میں ان کا سفر شروع ہو گیا۔۔۔ سمندر میں اترتے ہی ایک عجیب سی ناگوار بو نے ان کا استقبال کیا۔۔۔ معلوم ہوا کہ یہ لائیں کے تیل اور اس کوڑے کرکٹ کی بدبو ہے جو لائیں سے پانی میں پھینکا جاتا رہتا ہے۔۔۔ تینوں بچے برے برے منہ بناتے رہے اور کامران مرزا انہیں دیکھ کر مسکراتے رہے۔۔۔ آخر وہ کھلے سمندر میں نکل آئے۔۔۔ یہاں کی فضاء کافی تروتازہ تھی۔۔۔ تیز سمندری ہوا کے تھمڑے ان کا استقبال کر رہے تھے۔۔۔ جب نگاہ تک نیلے رنگ کا قالین سا بچا محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ تھوڑا اور آگے آنے کے بعد جب ساحل ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو انہیں لگا کہ وہ ایک نیلے گنبد کا حصہ بن چکے ہیں۔۔۔ پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ کہاں سمندر اور آسمان ایک دوسرے سے گئے مل رہے ہیں۔۔۔ وہ اس منظر

میں گم ہو کر رہ گئے ... اچانک آفتاب کی نظر اس طرف اٹھی جس طرف
ساحل تھا ... ساتھ ہی وہ زور سے چلایا:
"یہ کیا ... دھوکے کا حصار ..."

وہ سب چونک کر پلٹے ...

"یہ کیا ہے؟ کیا ہمارے نکلنے ہی شہر میں آگ لگ گئی ہے۔"

آصف اور فرحت کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے بھی ایک نظر اس دھوکے کے حصار پر ڈالی
اور پھر اطمینان سے دوسری طرف دیکھنے لگے۔

"آپ تو ایسے ظاہر کر رہے ہیں کہ جیسے آپ کیلئے یہ کوئی
حیران کن بات ہی نہ ہو۔"

"یہ تو روز کی بات ہے ... جیسے جیسے دن نکلتا جائے گا ... دھوکے
کا یہ حصار مزید گہرا ہوتا جائے گا۔"

"لیکن یہ ہے کیا؟"

"یہ شہر کی لمبوں اور کارخانوں کا دھواں ہے ... شہر میں چلنے والی
بسوں، ویکوں اور ٹرکوں کا دھواں ہے ... ایک انتہائی زہریلی گیس ...
جس کا نام ہے کاربن مونو آکسائیڈ ... دنیا کے کسی بھی صنعتی شہر کو سمندر
سے دیکھو یا شہر سے چند کلومیٹر باہر کسی غیر آباد علاقے میں جا کر دیکھو

... یہی منظر سامنے آئے گا ... یہ گیس اوپر کی طرف اٹھتی ہے اور پھر ایسا
لگتا ہے کہ دھوکے کا ایک حصار شہر پر قائم ہو گیا ہے۔"

"تو کیا ہم اسی زہریلے دھوکے میں دن رات سانس لیتے ہیں۔"

"اور نہیں تو کیا؟"

"اس کیس سے فارغ ہوتے ہی میں تو اس گیس کے نقصانات
اور اس سے بچاؤ کے طریقوں کے بارے میں انٹرنیٹ پر معلومات تلاش
کروں گی۔" فرحت بڑبڑائی۔

اب دو چار آباد جزیروں کو بھی پیچھے چھوڑ کر وہ سمندر میں پچاس
ٹائیکل میل آگے نکل آئے تھے ... اس وقت انسپکٹر کامران مرزا لالچ
والے سے بولے:

"ہم آپ کو پندرہ سو روپے فی گھنٹے کے علاوہ بھی کچھ دے سکتے
ہیں۔ اگر آپ ہمیں کسی جزیرے کی سیر کرا دیں، دراصل ہمیں جزیرے
بہت اچھے لگتے ہیں ... لیکن بے آباد جزیرے ... آباد جزیروں کے
بارے میں تو جانتے ہیں اور ان کی سیر کرنا معمول کی بات ہے ... ہم تو
کسی بے آباد جزیرے کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔"

"اور ... آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ایسے جزیرے خطرناک
ہوتے ہیں ... بھوت پریتوں اور چڑیلوں کی آماجگاہ ہوتے ہیں۔"

”آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... آپ کو تو صرف ہمیں وہاں لے جانا ہے... باقی ہم جانتے ہیں ہمارا کام۔“

”اچھی بات ہے...“ اس نے سر کو جھٹکا دیا۔

اس کی لالچ ایک سمت میں روانہ ہوئی اور جلد ہی اس نے رفتار بکڑی... ایسے میں اس نے کہا:

”آپ لوگ آئے کہاں سے ہیں... آپ کو ہوٹل نیومرا کی گاڑی سے نکلے دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی تھی۔“

”کیوں! حیرت کیوں ہوئی تھی۔“ آصف نے خود بھی حیران ہو کر کہا۔

”وہ شہر کا سب سے مہنگا ہوٹل ہے...“

”تو پھر کیا ہوا... کیا ہم لوگ آپ کو غریب نظر آئے تھے۔“

”یہ بات نہیں... اس ہوٹل میں اچھے بھلے مالدار لوگ بھی آتے ہوئے گھبراتے ہیں، ویسے آپ کا رد بار کیا کرتے ہیں۔“

وہ سمجھ گئے، ان پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے وہ یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ ان کے پاس کس قدر دولت ہو سکتی ہے۔

”بس یہ نہ پوچھیں... اللہ تعالیٰ کی ہم پر خاص مہربانیاں ہیں۔“

انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

”آپ کا مطلب ہے... آپ لوگ بہت دولت مند ہیں۔“

”اللہ کی مہربانی سے۔“

”وہ دیکھئے... وہ رہا جزیرہ۔“

انہوں نے سامنے دیکھا... اور سوچنے لگے... کیا یہ وہ جزیرہ ہو سکتا ہے... جس پر حیرال کے ہونے کے امکانات ہوں... کچھ سوچ کر وہ بولے:

”کیا یہاں آس پاس اور بھی جزیرے ہیں۔“

”چند ایک اور بھی ہیں... لیکن سب سے بڑا اور بے آباد جزیرہ بہر حال یہی ہے... اس کے درخت بھی بہت کچھ ہیں، درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہیں یہاں۔“

”بہت خوب!“ وہ خوش ہو کر بولے۔

اس کے ساتھ ہی لالچ جزیرے کے ایک چٹانی حصے سے جا لگی:

”لیجئے آپ کا جزیرہ آگیا... میں لکڑی کا تختہ لگا دیتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے۔“

تختے پر چل کر وہ پتھروں پر آگئے... یہاں پتھروں پر کافی پھسلن تھی... ان کے ساتھ ہی لالچ والا بھی آگیا:

”میں لالچ کو کسی پتھر سے بانٹھ لوں...“ اس نے کہا اور اپنے

کام میں معروف ہو گیا... وہ آپس میں باتیں کرتے آگے کی طرف قدم اٹھانے لگے، اچانک انہوں نے لالچ والے کی آواز سنی:

”میری طرف دیکھو صاحب لوگو... آپ کو خوشی ہوگی۔“

وہ اس کی طرف مڑے... انہوں نے دیکھا... اس کے ہاتھ میں ایک ٹی ٹی پستول تھا:

”یہ... یہ کیا بھی؟“ انپکنز کامران مرزا نے کاپنے کی ایکٹنگ کی۔

”اسے پستول کہتے ہیں، آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں۔“ اس

نے ہنس کر کہا:

”ارادے کیا ہیں۔“

”صاف اور سیدھے... جو کچھ ہے نکال کر میرے قدموں کی

طرف اچھال دیں اور جزیرے میں آگے کی طرف بڑھتے چلے جائیں...

اگر مڑ کر دیکھا تو گولی چلا دوں گا۔“

”گویا تم ہمیں لوٹ کر، ہمیں جزیرے پر چھوڑ کر یہاں سے چلے

جاؤ گے، یہی پروگرام ہے نا تمہارا۔“

”ہاں! ہے تو یہی بڑے صاحب۔“ وہ مسکرایا۔

”لیکن ہم تم کو ایک اس سے بہتر پروگرام بتا سکتے ہیں... وہ

تمہارے حق میں بہتر ہوگا... خیل جانے سے بچ جاؤ گے... یہ لالچ

تمہاری اپنی ہے۔“

”ہاں!“ اس نے عجیب سے لہجے میں کہا، پھر جلدی سے بولا:

”لیکن آپ نے یہ کیوں پوچھا... یہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”میں نے کہا ہے... ہم تمہارے پروگرام کے مقابلے میں ایک دوسرا

پروگرام تمہارے سامنے رکھتے ہیں، تم اس پر عمل کر لو... اچھے رہو گے...“

”آخر میں آپ کی بات کیوں مانوں، پستول میرے ہاتھ میں ہے۔“

”ہمیں لوٹنے بغیر اگر تم کو وہ سب مل جائے جو آپ چاہتے ہیں

تو کیا یہ اچھا نہیں۔“

”آخر کیسے... اور میں کیوں اس چکر میں پڑوں... بھائی اپنا

اصول ہے جو مل رہا ہے اس پر ہاتھ صاف کر لو... جب میں تم کو لوٹ

سکتا ہوں... بلکہ مار کر یہاں پھینک سکتا ہوں تو کیوں تمہارے دیئے کسی

لالچ میں آؤں...“

”تم ہماری مدد کرو گے تو میں تم کو اتنا معاوضہ دوں گا، انعام

کہہ لو، اتنا انعام دوں گا کہ تم حیرت زدہ رہ جاؤ گے... لیکن ہماری

شرط ایک ہوگی... یہ کہ تم جرائم کا یہ راستہ چھوڑ دو گے... اور آج کے

بعد کسی کو نہیں لوٹو گے... ایمانداری سے اپنی روزی کھاؤ گے۔“

”ہاں... میں ان باتوں میں نہیں آنے والا... تم سے مجھ سے

بھی بڑے کھلاڑی نکلتے ہو ... میں پھر ایک بات کہتا ہوں ... آخر میں آپ کی بات کیوں مانوں ... جب کہ پستول میرے ہاتھ میں ہے۔"

"نہ ماننے کی صورت میں تم کہیں کے نہیں رہو گے ... ہم تم کو نیل بھجوا دیں گے۔"

"مرنے کے بعد بھی ... دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"تم کو معلوم نہیں ... تمہارے پیچھے کیا ہو چکا ہے۔"

"پرانا حربہ ہے ... مجھے پتا ہے پیچھے کوئی نہیں ہے۔"

"مت دیکھو پیچھے ... لیکن یہ ضرور سوچ لو کہ واپس کیسے جاؤ گے

... تمہاری لالچ کی رسی کھل گئی ہے اور دو سمندر میں دور نکل چکی ہے۔"

"کیا مطلب ...؟" وہ بڑی طرح اچھلا اور ساحل کی طرف

مڑا ... وہاں تو اس کی لالچ پہلے کی طرح بندھی دیں موجود تھی ... جھلا

کر پھر ان کی طرف مڑا تو ان میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا :

"اے ... تم لوگ کہاں چھپ گئے ... چال باز کہیں کے ... میں

تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

ان میں سے کسی نے بھی کوئی جواب نہ دیا ... اب تو وہ اور زیادہ

حیران ہوا اور جزیرے میں آگے کی طرف بڑھا ... وہ بہت مختلط انداز

میں ایک ایک قدم اٹھا رہا تھا ... جب وہ پندرہ بیس قدم آگے بڑھ گیا

تو ایک غار کی آواز گونج اٹھی اور پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس کا منہ مارے حیرت کے کھلا کا کھلا رہ گیا ... اس نے ادھر ادھر دیکھا ... پھر اچانک اس کی نظریں اپنے سامنے جم کر رہ گئیں۔

وہ چاروں پرسکون انداز میں اس کے سامنے کھڑے تھے ... ان کے ہاتھوں میں کوئی پستول نہیں تھا :

"اب کیا خیال ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"میں اب بھی تم لوگوں کو سبق سکھا سکتا ہوں ... پستول نہیں رہا تو

کیا ہوا ... یہ دیکھو ... میرے پاس خنجر بھی موجود ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ بلا کی رفتار سے جھکا اور پنڈلی میں

اڑسا ہوا خنجر نکال لیا :

"بس ! اس کی بنا پر کہہ رہے ہو ... تم اب بھی ہم سے بہت

سکتے ہو ... لو پھر اپنے خنجر کی بھی خیر مناد۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر کامران مرزا نے کوئی چیز اس کے ہاتھ پر کھینچ

ماری ... اس کے منہ سے چیخ نکلی اور خنجر ہاتھ سے اچھل کر کہیں دور جا

پڑا ... دوسرے ہی لمحے آفتاب نے ایک لوٹ لگائی اور اس کا خنجر اٹھا

کر سیدھا کھڑا ہو گیا :

"اب کیا خیال ہے۔"

اس کے منہ سے کچھ نہ نکلا... کینہ تو ز نظروں سے بس انہیں
گھورنے لگا:

"ہماری پیکش اب بھی موجود ہے... ہماری مدد کرو... ہم
تمہیں اتنا انعام دیں گے کہ ہمیں لوٹ کر بھی تمہیں اتنا نہیں ملے گا...
اور اب تو ویسے بھی تم ہمیں لوٹنے کی پوزیشن میں ہی نہیں رہے۔"
"اچھا کیسے! کیا پروگرام ہے۔" وہ پھر تم کی جگہ آپ کہہ کر
انہیں مخاطب کرنے لگا۔

"ہم آس پاس کے جزیرے دیکھنا چاہتے ہیں... اگر تم
آس پاس کے تمام جزیرے ہمیں دکھا سکتے ہو تو انعام کے حقدار ہو گے،
ورنہ ہم کوئی اور آدمی تلاش کریں گے۔"

"میں ایک ایک جزیرے سے واقف ہوں... پہلے یہ بتائیں...
آپ کو کسی خاص جزیرے کی تلاش ہے۔"

"ہاں! اس جزیرے کے جو درخت ہیں ان کے پتے اس قدر
نوکیلے ہیں، جیسے نیزے ہوں... اور وہ زہریلے بھی ہیں۔"

"میں سمجھ گیا... آپ کس جزیرے کی تلاش میں ہیں...

لیکن..." لیکن کہتے وقت اس کی آنکھوں میں خوف ابھرا آیا۔

"لیکن کیا۔"

"وہ جزیرہ... موت کا جزیرہ ہے... کوئی لالچ والا اس کی
طرف لالچ نہیں لے جاتا... جب بھی کوئی جاتا ہے... اس کی لالچ جہ
ہو جاتی ہے... اور وہ کوئی چھوٹا سا جزیرہ نہیں ہے... بہت بڑا ہے
... اس میں گھنا جنگل ہے۔"

"جب تم اس پر گئے ہی نہیں تو کیسے پتا ہے کہ اس پر کیا کچھ ہے۔"

"اپنے بڑوں سے سنا ہے... بہت سال پہلے ایسا نہیں تھا...
اس جزیرے پر لوگ آتے جاتے تھے... لیکن پھر نہ جانے کن انجانی
طاقتوں نے اس پر قبضہ کر لیا... اس لیے میں آپ کو اس جزیرے کے
قریب تو لے جاسکتا ہوں... اس کے ساحل تک نہیں لے جاؤں گا۔"

"بس اتنا ہی کافی ہے... تم ہمیں ساحل کے قریب اتار دو۔"

"اور اتار کس چیز پر دوں... پانی پر۔"

"ہاں! ہم تیر کر چلے جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے... پہلے میرا انعام دے دیں۔"

"تو تم وعدہ کرتے ہو... لوٹ مار نہیں کرو گے۔"

"بالکل نہیں کروں گا۔" اس نے فوراً کہا۔

"دیکھو دوست! یہ بات اچھی نہیں۔" انہیں کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب... کون سی بات۔" وہ چونکا۔

”تم جھوٹا وعدہ کر رہے ہو ... جی میں تو تمہارے یہ ہے کہ جرائم جاری رکھو گے۔“

”آپ ... آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ اس نے زیادہ حیران ہو کر کہا۔

”ہم ایسے اندازے لگا لیتے ہیں ... اور میں تمہیں خبردار کیسے دیتا ہوں ... تم باز نہ آئے تو بہت جلد تمہیں پکڑ کر جیل بھجوا دیں گے۔“ انہوں نے تیز لہجے میں کہا۔

”نھیک ہے اگر آپ مجھے جرم کرتے دیکھیں تو آپ ضرور ایسا کریں۔“

”میں سمجھ گیا ... تم کیا سوچ رہے ہو ... یہی تا کہ یہ لوگ تو اس جزیرے سے ہی واپس نہیں آئیں گے ... مجھے کیا پکڑیں گے۔“

”اوہ ... اوہ ... واقعی ... مجھے یہی خیال گزرا تھا۔“

”بس تو پھر ... تم اپنا نفع نقصان سوچ لو ... ہم وعدہ کرتے ہیں، فرمت ملتے ہی تمہیں چیک کریں گے ... پھر نہ کہتا۔“

”اچھی بات ہے ... آپ میرا انعام دے دیں۔“

انہوں نے چند بڑے نوٹ اس کے حوالے کر دیا، کیونکہ یہی وعدہ ہوا تھا ... وہ وعدے پر پورا نہ اترتا یہ اور بات تھی۔

اب اس نے انہیں لالچ پر بٹھایا اور ایک سمت میں روانہ ہوا۔ ایک

گھنٹے کے سفر کے بعد آخر اس نے کہا: ”وہ دیکھئے ... یہ ہے وہ جزیرہ۔“

انہوں نے اس کی طرف دیکھا اور اترنے کی تیاری کرنے لگے ... اب انہیں پانی میں اترنا تھا ... کیونکہ لالچ تو جزیرے کے کنارے تک جانا نہیں سکتی تھی ... ریت میں پھنس جانے کا ڈر تھا۔

پھر جوئی وہ تیر کر جزیرے تک پہنچے ... لالچ والے کا قبضہ سنائی دیا۔

☆☆☆☆☆

وہ رہا جزیرہ !!

انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا:

”کیا ہوا بھائی... خیر تو ہے... اس طرح کیوں نہیں رہے ہو۔“

”خوب پاگل بنایا... چلے تھے مجھے سیدھے راستے پر لگانے...“

اب اپنا سیدھا راستہ تلاش کرو۔“ اس نے تہقید لگا کر کہا۔

”تمہارا مطلب ہے... یہ وہ جزیرہ نہیں جس کی ہمیں تلاش ہے

... یعنی وہ موت کا جزیرہ۔“ آصف نے چلا کر کہا۔

”نہیں... یہ وہ نہیں... وہ یہاں سے دور بہت دور ہے... مجھے

دو کھٹے تک لالچ میں تم لوگوں کو لے جانا پڑتا اور پھر وہاں سے واپس

آنا پڑتا... اب اتنا ڈیزل مفت میں کیوں گنواؤ... میں نے سوچا اسی

جزیرے کو وہ جزیرہ بنا دیتا ہوں... اب تم لوگ تیر کر اس جزیرے پر

چلے جاؤ... ساحل کی طرف جاتا ہوا کوئی جہاز آج کل یا پرسوں ادھر

سے گزرے گا تو اس میں سوار ہو جاتا... ٹاٹا۔“

”ایک منٹ... بھائی ایک منٹ... تم نے اگرچہ ہم سے اچھا

سلوک نہیں کیا... لیکن ہم پھر بھی آپ سے اچھا سلوک کرنا چاہتے

ہیں... یعنی اس بدسلوکی کے باوجود۔“

”کیا مطلب... اب تم لوگ مجھ سے کیا اچھا سلوک کرو گے،

تمہارے پاس ہے ہی کیا۔“

”یہ دیکھو... ہمارے پاس ایک ہیرا ہے... تم ہمیں اس

جزیرے پر تک پہنچا کر یہ ہیرا ہم سے لے سکتے ہو۔“

”کسی اور کو الو بتاتا۔“ وہ ہنسا۔

”یہاں اور ہے ہی کون تمہارے سوا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چلایا۔

”مطلب یہ ہے کہ یہاں تم سے بڑا الو اور کوئی نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اگر تم لالچ کا انجن اشارت کرنے میں کامیاب

ہو جاؤ تو یہ ہیرا مفت ہم سے لے جاتا۔“

”یہ کون سی بڑی بات ہے... ابھی لو... لیکن تم اپنے ہیرا

دینے والے وعدے پر قائم رہنا...“ یہ کہہ کر وہ لالچ اشارت کرنے

کیلئے انجن کی طرف جھکا اور پھر جھکا ہی رہ گیا... پھر بوکھلا کر پہلے اپنی

قمیض کی جیبوں میں اور پھر لالچ میں ادھر ادھر کچھ تلاش کرنے لگا۔
 ”کیا ہوا پائلٹ صاحب... کیا سانپ سونگھ گیا۔“ آفتاب کی
 شرارت بھری آواز گونجی۔

”کیا ڈھونڈ رہے ہو پیارے بھائی...“ فرحت مسکرائی۔
 ”انجن کی چابی... چابی نہیں مل رہی...“ وہ لالچ میں سے چلا یا۔
 ”دیکھنا دوست... کہیں یہ تو نہیں ہے تمہاری چابی...“ آصف
 نے ایک چابی جیب سے نکال کر لہرائی۔

”ہاں یہی تو ہے میری چابی... واپس کرو مجھے...“
 ”تو گویا آپ چاہتے ہیں کہ الو کا خطاب آپ سے لے کر
 میرے سر منڈھ دیا جائے۔“

لالچ والا شدید غصے کی حالت میں ان سب کو گھورتا رہا... اس کا
 بس نہیں چل رہا تھا کہ ان کا خون پی جائے...

”بھائی صاحب! ایک بات ہم ضرور اپنے پلے سے باندھ کر
 رکھتے ہیں... اور وہ یہ کہ مومن وہ ہے جو ایک سوراخ سے دو بار نہ ڈسا
 جائے... تم ہمیں پہلے بھی ڈس چکے تھے... لہذا تم پر اندھا اعتماد کرنے کا
 تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا... اسی لئے ہم نے اترنے سے پہلے
 تمہاری لالچ کے انکیشن سوکچ سے چابی اچک لی تھی کہ تم دوبارہ

بدعہدی نہ کر بیٹھو... اور افسوس کہ تم نے ایسا ہی کیا... تو دیکھ لو... ثابت
 ہو گیا کہ ہم نے چابی غائب کر کے کچھ غلط نہیں کیا...“ انسپکٹر کامران مرزا
 یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔

لالچ والے کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا... وہ مگر فکر نہیں
 دیکھتا رہا... اور پھر ایک لمبی سانس لے کر اور اپنا سر دونوں ہاتھوں سے
 تھام کر لالچ کے کنارے سے نک گیا۔ پھر اس کے منہ سے نکلا:

”ٹھیک ہے... آجاؤ... تمہیں اس جزیرے تک پہنچاؤں گا۔“
 ”یہ ہوئی نا بات... عقل مندی اسی کو کہتے ہیں۔“

اور پھر وہ پانی میں اتر کر لالچ کی طرف بڑھنے لگے... لالچ میں
 سوار ہو کر انہوں نے چابی اس کے حوالے کر دی... وہ انجن پر جھک
 کر لالچ اشارت کرنے لگا... اس وقت وہ چونکا:

”ہائیں... تمہارے بڑے ساتھی کہاں ہیں... کیا انہیں حیرتا
 نہیں آتا تھا۔“

”انہیں حیرتا آتا ہے... لیکن...“ آفتاب کہتے کہتے رک گیا۔
 ”لیکن کیا؟“

”لیکن... شاید ان کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پانی میں کچھ دور نکل
 گئے... آتے ہی ہوں گے۔“

"کیا کہا... پاؤں پھسل گیا... پانی میں..." اس کے کچے میں
خبر تھی۔

"ہاں جس طرح تمہارا پاؤں پھسل گیا تھا..."

"م... میرا پاؤں نہیں تو..." وہ ہکھلایا۔

"یہ پاؤں پھسلنا نہیں تو اور کیا ہے... کہ تم نے ہم سے ایک
معاملہ لے لیا، لیکن پھر معاملے سے پھر کچھ... اور ہمیں سمندر میں چھوڑ
کر چلتے بنے تھے... وہ تو ہم نے چابی غائب کر کے روک لیا۔

"تو آپ کے پاس میرا نہیں ہے..."

"ایک کیا... ہمارے پاس تو بہت سے ہیرے ہیں... لیکن ہم

وہ دھوکا دینے والوں کو نہیں دیا کرتے..."

"اچھی بات ہے... میں معافی چاہتا ہوں... اب چاہے کچھ ہو

جائے... میں آپ کو دھوکا نہیں دوں گا..."

"لیکن اس بات کی ضمانت کیا ہے..."

"اس بات کی ضمانت... ظاہر ہے، میں یہاں کوئی ضمانت دینے

کی حیثیت میں نہیں ہوں..."

"اچھی بات ہے... تم اس جزیرے کا فاصلہ... سمت اور نشانیاں

بتا دو، ہم وہاں جا کر دیکھ آتے ہیں... اگر وہاں واقعی ایک خطرناک جزیرہ

موجود ہے... تو ہم تم کو یہ ہیرا دے دیں گے... ورنہ نہیں..."

"کیا مطلب... یہ کیسے ممکن ہے..."

"تم ہمیں ایک بار دھوکا دے چکے ہو... ہو سکتا ہے، پھر دھوکا دو..."

"نہیں! میں دھوکا نہیں دوں گا..."

"تم نے سنا نہیں کہ ہماری قربیت یہ ہے کہ ہم ایک سوراخ
سے دو بار نہیں کالے جاسکتے... یعنی ایک شخص سے دوبارہ دھوکا نہیں
کھا سکتے... اس لیے اگر تم یہ ہیرا حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہماری بات
ماننا ہوگی..."

"ٹھیک ہے... میں آپ کی بات مانوں گا..."

"اچھی بات ہے... اس جزیرے کے بارے میں پوری طرح

تفصیل سے بتاؤ..."

"وہ یہاں سے بائیں طرف شمال میں دو گھنٹے کے راستے پر ہے

... اس کے درخت ایسے ہی ہیں... جیسے بتا چکا ہوں... اس پر کچھ

معلوم لوگوں کا قبضہ ہے... لہذا اس جزیرے کا رخ نہیں کرتا..."

"ہوں! تم یہاں ٹھہرو... ہم اس جزیرے کو ایک نظر دیکھ کر

آتے ہیں..."

"نہیں... نہیں... وہ آپ کو نہیں لے گا... آپ بھوک

جائیں گے، میں وعدہ کرتا ہوں... دھوکا نہیں دوں گا اور اس جزیرے کے پاس آپ کو پانی میں اتار دوں گا... لالچ بہر حال ساحل تک نہیں جاسکتی... اس صورت میں لالچ تباہ ہو جائے گی اور ہم سب مارے جائیں گے... لالچ کی چابی آپ اپنے پاس رکھ لیجئے گا۔"

"اچھی بات ہے... ہم تم کو ساتھ لے جاتے ہیں... دھوکا دو گے تو نتیجے کے خود ذمے دار ہو گے۔"

"بالکل ٹھیک۔" اس نے خوش ہو کر کہا... پھر چوبک کر بولا:

"لیکن یہ کیا... آپ کے ساتھی تو اب تک نہیں آئے۔"

"وہ لالچ پر ہیں... آئیے۔"

"اوہ۔" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا... اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا لالچ پر نظر آئے۔ پھر وہ سب بھی پانی سے گزرتے ہوئے لالچ پر پہنچ گئے۔

"میں نے سوچا تھا... تمہیں اس جزیرے پر پھوڑ دوں گا اور ہم اس جزیرے کی طرف روانہ ہو جائیں گے... لیکن تم پر ترس آگیا... اگرچہ تم نے ہمیں دھوکا دیا اور اس سے پہلے بھی تم لوگوں کو لوٹتے رہے ہو... بہر حال ہم تمہیں ایک موقع اور دیتے ہیں۔ اب لالچ اشارت کرو... دھوکا دیا تو یقیناً نقصان کے ذمے دار تم خود ہو گے۔"

اس نے منہ سے کچھ نہ کہا اور لالچ اشارت کر دی... دو گھنٹے کے سفر کے بعد اس نے کہا:

"وہ دیکھئے... وہ رہا جزیرہ... اب اس میں کوئی دھوکے والی بات نہیں ہے... یہ وہی جزیرہ ہے... اور میں لالچ کو اس کے قریب نہیں لے جاسکتا... آپ مجھے ہیرا دیں یا نہ دیں۔"

"ہم تمہیں ہیرا دیں گے... بلکہ تم چاہو تو ہم تمہیں دو ہیرے بھی دے سکتے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا... اس کے چہرے پر خوشی کی بجلی چمکی۔

"ہمیں آخر یہاں سے واپس بھی تو جانا ہوگا... جب ہم یہاں سے فارغ ہو جائیں گے تو موبائل فون پر تم سے رابطہ کریں گے اور تم ہمیں ہمارے ساحل پر پہنچا دو گے تو دو ہیروں کے حق دار ہو گے... ورنہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے... لیکن آپ اس وقت ایک ہیرا تو دے دیں۔"

"ہاں! اس کی بات ہو چکی... یہ لو ہیرا۔" انہوں نے ایک ننھا

ساہرا اسے دے دیا۔ اس نے اسے دیکھا اور بے یقینی کی حالت میں بولا:

"کیا یہ واقعی ہیرا ہے یا شیشے کا ٹکڑا۔"

"ایک منٹ۔"

انہوں نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی پشت پر کوئی نمبر لکھا... پھر نیچے اپنا نام لکھا اور کارڈ اسے دیتے ہوئے بولے :

"اس نمبر پر رابطہ کر کے میرا نام انہیں بتانا اور پوچھنا... کہ اس شخص نے ایک ہیرا مجھے دیا ہے... کیا وہ اصلی ہے یا نقلی۔"

"یہ کیا بات ہوئی... وہ کہہ دے گا اصلی ہے... کیونکہ وہ آپ کا کوئی دوست ہوگا اور آپ نے اسے یہ بات سکھارہی ہوگی۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو... دراصل تم خود دھوکے بازی کرتے رہے ہو، اس لیے تمہیں سب دھوکے باز نظر آتے ہیں... کرنسی نوٹ پہچان لیتے ہو یا نہیں۔" انہوں نے طنز یہ کہا۔

"ہاں کیوں نہیں۔"

"یہ اس ہیرے کے ساتھ کچھ بڑے کرنسی نوٹ رکھ لو... اگر تم نے ہمیں یہاں سے واپسی میں مدد دی تو اتنے ہی نوٹ اور دیں گے... یہ ہیرا واپس دے دو۔"

"کیوں... واپس کیوں دے دوں۔"

"اب ہم نے کرنسی نوٹ جو دے دیئے... یا ہم پر اعتبار کر لو

... اور ہیرا رکھ لو... یا کرنسی نوٹ لے لو، ہیرا دے دو۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا... آخر اس نے کہا :

"ٹھیک ہے... میں یہ نوٹ رکھ لیتا ہوں۔"

اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیئے... ہیرا اس سے لے لیا اور لالچ سے پانی میں کود گئے... اس وقت اس نے کہا... میں یہاں سے کچھ فاصلے پر جا کر رک جاتا ہوں... آپ کو یہاں منتہی دیر لگ سکتی ہے۔"

"ہم کچھ نہیں کہہ سکتے... پتا نہیں... کتنا وقت لگ جائے۔"

"اچھی بات ہے... چار پانچ گھنٹے تک تو میں ٹھہروں گا... اس کے بعد چلا جاؤں گا... البتہ صبح پھر آ جاؤں گا۔"

اور پھر وہ جزیرے کی طرف تیرتے چلے گئے... لالچ ان سے دور ہوتی ہو گئی۔ آخر وہ اس جزیرے کے کنارے پر پہنچ گئے۔ انہوں نے جزیرے کو غور سے دیکھا... اس کے درختوں کے پتے نوکیلے تھے... اور درختوں کا انداز بھی دیباہی تھا، جیسا کہ جبرال کے جزیرے کا بتایا جاتا تھا :

"کیا خیال ہے... یہ وہی جزیرہ ہے۔"

"لگتا تو وہی ہے۔"

"ہوں! لیکن یہ ضروری نہیں کہ جبرال یہاں آیا بھی ہو... یہ صرف

ایک خیال تھا... اور ہم اپنے خیال کے تحت ہی یہاں چلے آئے ہیں۔"

"یہاں سوال یہ ہے کہ جبرال تو صرف ایک ڈائری ازانے کے

لیے آیا ہے... وہ یہاں کیوں آنے لگا... ڈائری وہ حاصل کر چکا ہے،

اب تو وہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرے گا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کے فرار کے تمام راستے روک دیے ہیں... اس لئے وہ فوری طور پر ملک سے نکلنے کی کوئی کوشش نہیں کرے گا... اور شہر میں بھی اس کے کہیں ٹھہرنے کے امکانات کم ہیں... ان حالات میں اس کے لیے لے دے کر یہ جزیرہ ہی رہ جاتا ہے کیونکہ وہ اس جزیرے کا بھیدی ہے۔“

”چلئے یہ تو بات ہوئی... سوال یہ ہے کہ کیا وہ یہاں پہنچ چکا ہے... یا پہنچنے والا ہے...“

”ہاں! یہ ہمیں معلوم کرنا ہے... ہماری طرف سے اس جزیرے کی طرف اگر کوئی لائیج آئی ہے اور جیرال کنارے پر اترتا ہے تو اسے تلاش کرنا کوئی مشکل کام نہیں... جزیرے کے ساحل کے ساتھ ساتھ چل کر جائزہ لے سکتے ہیں... اگرچہ ریت پر قدموں کے نشانات نہیں مل سکتے، لیکن شاید کوئی اور چیز نظر آ جائے... آؤ پہلے یہی کام کر لیتے ہیں۔“

اب انہوں نے کنارے کنارے چلنا شروع کیا، لیکن کسی کی آمد کے کوئی آثار نظر نہ آئے: ”آؤ... اب جزیرے کے اندر کی طرف چلیں... اس میں خطرہ تو ہے... لیکن جیرال چھپ کر وار کرنے کا عادی نہیں... وار کرے گا تو سامنے آ کر۔“

وہ آگے بڑھ گئے... کئی گھنٹے صرف کر کے انہوں نے جہاں تک ممکن تھا... جزیرے کو دیکھ ڈالا... لیکن یہ کافی بڑا جزیرہ تھا... وہ اسے پوری طرح نہ دیکھ پائے... کئی جگہ درختوں کے جھنڈ اس قدر گہرے تھے کہ ان کے اندر جانا ناممکن تھا اور ایک دو مقامات پر چٹانوں پر اتنی زیادہ پھسلن تھی اور کائی جی ہوئی تھی کہ ان پر ہاتھ پاؤں جمانا ناممکن تھا... آفتاب، آصف اور فرحت نے باری باری کوشش کی لیکن بے سود... سر توڑ کوشش کے باوجود وہ عمودی اور پچھلی چٹانوں پر چڑھنے میں ناکام رہے... تھک ہار کر آفتاب نے کہا:

”میرا دماغ کہہ رہا ہے کہ ان چٹانوں کے پیچھے ضرور کوئی راز ہے... کیونکہ اتنی زیادہ پھسلن والی چٹانوں سے میرا آج تک واسطہ نہیں پڑا... بلکہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ کائی کی پختائی نہیں ہے... یہاں سے باقاعدہ چٹانوں کو کسی کمیکل کے ذریعے چکنا کیا گیا ہے کہ کوئی ان پر چڑھ کر دوسری طرف جھانک بھی نہ سکے۔“

کامران مرزا کچھ نہ بولے... وہ پیچھے ہٹ کر چٹانوں کی اس دیوار کی لمبائی کا جائزہ لے رہے تھے گویا اسے ٹاپنے کی کوشش کر رہے تھے... اور پھر ان کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی... انہوں نے کہا:

”واقعی اس جزیرے پر کچھ بھی ملنا ناممکن ہے۔“

"کیوں انکل ... ہم کچھ سمجھ نہیں۔" آصف اور فرحت نے ایک ساتھ کہا۔

"اس جزیرے پر جیرال کا راج ہے ... بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ ہم جو یہاں آزادی سے چل پھر رہے ہیں تو یہ بھی جیرال کی مرضی سے ... وہ جب چاہے ہمارے پڑنے اڑا سکتا ہے۔" ان کی بات سن کر تینوں سنائے میں آگئے ... ان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

"اس کا مطلب ہے کہ حالات اور معاملات پوری طرح جیرال کے کنٹرول میں ہیں۔" آفتاب بڑبڑایا۔

"چلو اب واپس چلیں۔" کامران مرزا نے انہیں چلنے کا اشارہ کیا ... آخر وہ ساحل کی طرف واپس روانہ ہو گئے ... انہیں لگا کہ اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا ... واپسی کے راستے میں بھی جیرال کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔

"مجھے بہت عجیب سا احساس ہو رہا ہے۔" فرحت کے انداز سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔

"کہیں تمہیں بھی یہ محسوس نہیں ہو رہا کہ کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔" آفتاب ادھر ادھر نظریں دوڑاتے ہوئے بولا۔

"مجھے تو خیر ایسا اس وقت سے لگ رہا ہے جب ہم اس جگہ اترے تھے۔" آصف نے بھی لقمہ دیا۔

"حیرت ہے ... ہم تینوں کو ایک ہی سا احساس ہو رہا ہے اور ظاہر ہے کہ تینوں کو تو ایک ساتھ غلط احساس نہیں ہو سکتا۔" فرحت کے منہ سے نکلا۔

"لیکن ہمیں یہاں کچھ نظر تو نہیں آیا ... صرف ہماری چھٹی حس ہمیں خبردار کر رہی ہے۔" آفتاب مسکرایا۔

"بہر حال کچھ تو پراسرار ہے اس جزیرے پر ..."

"ہو سکتا ہے یہاں کوئی زیر زمین دنیا آباد ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جیرال نے یہاں کوئی خفیہ اڈا قائم کر رکھا ہو ... جس کا راستہ کسی دراڑ یا کسی غار کے ذریعے نیچے جاتا ہو ... تم نے سنا نہیں تھا ... لالچ والے نے کیا کہا تھا ... یہاں نزدیک پہنچنے والی کشتیاں اور لاشیں جاو ہو جاتی ہیں۔"

"کیوں ابا جان ! اگر ایسا ہوتا تو کیا بحری پولیس یا نیوی کی انجینئرس والے اس طرف متوجہ نہ ہو جاتے۔" آفتاب نے پلٹ کر اپنے والد سے پوچھا جو ان سے چند قدم پیچھے چل رہے تھے۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے... بحریہ کی انٹیلیجنس نے اس معاملے کی تحقیقات کا دائرہ اور جزیروں تک بھی پھیلا دیا تھا... لیکن وہ کسی واضح نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے سوائے یہ اخذ کرنے کے... کہ اس جزیرے کے اطراف میں چونکہ پانی میں ڈوبی ہوئی لا تعداد چٹانیں ہیں... اس لئے اکثر اوقات ان سے ٹکرانے کی صورت میں لائچوں کے پینڈے میں سوراخ ہو جاتے ہیں اور وہ ڈوب جاتی ہیں۔"

انسپیکٹر کامران مرزا تفصیل بتا کر خاموش ہو گئے۔

اندھیرا پھیلنے کے قریب تھا۔ اگست کا مہینہ تھا اور سون سون کے سب سمندر کی لہریں بھی کافی اونچی اٹھ رہی تھیں... انہوں نے ساحل پر آ کر دیکھا... دور سمندر میں ان کی لائچ کھڑی پانی میں ہلکے لہتی نظر آئی۔ انہوں نے اسے ہاتھ اٹھا کر لائچ والے کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا... ان کا اشارہ پا کر لائچ تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف آنے لگی...

پھر اسی طرح پانی میں کچھ چل کر اور کچھ تیر کر وہ لائچ تک جا پہنچے۔ اپنے شہر کے ساحل پر پہنچتے پہنچتے انہیں رات ہو گئی۔ یہاں پہنچ کر انسپیکٹر کامران مرزا نے لائچ والے سے کہا:

"یہ لو میرا بھی رکھ لو... اور اسے نقلی ہرگز نہ سمجھا۔" یہ کہتے ہوئے وہ مسکرا دیئے۔

"یہ یہ کیا... آپ تو مجھے کرنسی نوٹ دے چکے ہیں اور میں نے تو آپ پر اعتبار نہیں کیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں... بس تم یہ رکھ لو۔"

اسے حیرت زدہ چھوڑ کر انہوں نے شہر کا رخ کیا... ہوٹل کی کار ان کی منتظر تھی۔ انہیں دیکھ کر ڈرائیور آگے بڑھا اور ان کیلئے کار کے دروازے کھول کر باادب کھڑا ہو گیا۔

بھوک سے تینوں بچوں کا برا حال تھا۔ ہوٹل پہنچ کر انہوں نے پہلے لابی کے ریسٹورنٹ ہال میں بیٹھ کر کھانے کا آرڈر دیا۔ آفتاب کو تلے ہوئے جھینگے، آسف کو مٹن بھی اور فرحت کو چھٹے بیج کباب بہت پسند تھے۔ کھانا سامنے آتے ہی تینوں اپنی اپنی مرغوب ڈشوں پر نوٹ پڑے۔ انسپیکٹر کامران مرزا نے البتہ گرم چپاتیوں اور ماش کی دال پر ہی اکتفا کیا... دنیا جہاں کی نعمتیں بھی سامنے رکھی ہوں تو وہ دال روٹی پر ہی ہاتھ صاف کرتے تھے... ویسے ان کو کوفتے بہت پسند تھے۔ ایک ڈش پر البتہ سب کا اتفاق تھا... اور وہ ڈش تھی لہسن اور لال مرچ کی تلی ہوئی چٹنی کے ساتھ گرم چپاتی جس کو ویسی کھی سے چڑ دیا گیا ہو۔ لائچ کے ہلکولوں اور جزیرے کی تلاش نے ان کے پیٹ میں چر ہے دوڑا دیئے تھے۔ خوب ڈٹ کر کھانا کھا کر انہوں نے اوپر کردوں

میں جا کر کچھ دیر آرام کرنے کی رضائی... لفت میں سوار ہو کر اپنے فلور پر آئے۔

جوئی انہوں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا... ایک جانی پہچانی آواز ان کے کانوں سے گرائی:

”خوش آمدید۔“

☆☆☆☆☆

غوطہ خور

جیسے ہی کامران مرزا، آصف، آفتاب اور فرحت لالچ سے اترے... ان سے کافی دور لوہے کے جینگے سے لگے اس لمبے ترنگے شخص نے سر پر سے اپنی سرخ رنگ کی پی کیپ اتار کر سمندر میں پھینک دی... ایک دو گزرتے ہوئے آدمیوں نے حیرت سے اسے کیپ پانی میں بھیجئے دیکھا، لیکن پھر مسکراتے ہوئے اپنی راہ پر چل پڑے... کیونکہ لمبے ترنگے شخص نے اس کے بعد ایک پرانی فلم کا ٹکٹین سا گیت اونچے لیکن پھنے ہوئے سروں میں گا نا شروع کر دیا تھا... لیکن شاید کوئی بھی یہ نوٹ نہ کر سکا کہ ٹوپی پانی میں پھینکے جانے کے ساتھ ہی سمندر میں تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑی چھیلروں کی ایک کشتی سے چار غوطہ خور پانی میں کود پڑے تھے... وہ چاروں باقاعدہ حیراکی کے لباس پہنے ہوئے تھے اور آکسیجن سلینڈر ان کی کمروں کے ساتھ بندھے ہوئے تھے... پانی میں چلائگ لگانے کے بعد ان میں سے کوئی دوبارہ سطح پر نہیں ابھرا...

دراصل ان کا سفر سمندر کی تہ کی جانب تھا ... وہ نہایت تیزی سے تیرتے ہوئے نیچے ہی نیچے جا رہے تھے ... پھر انہوں نے بالکل تہ کے ساتھ ساتھ چپک کر سمندر میں جنوب مغرب کی جانب آگے بڑھنا شروع کر دیا ... اوپر جیسا بھی تلاطم ہو لیکن تہ کی دنیا پر سکون تھی ... پندرہ منٹ اسی طرح تیرتے رہنے کے بعد سب سے آگے والے تیراک نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا ... انہوں نے اپنی رفتار کم کر لی ... آگے والے تیراک نے اپنے ایک ساتھی کی گھڑی کی طرف اشارہ کیا ... اور پھر اپنے لباس کی ایک زپ کھول کر اس میں سے ایک دائرہ پروف جی پی ایس مانیٹر نکالا ... ساتھی نے گھڑی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی ... مانیٹر کو گھڑی سے منسلک کر کے اس نے ایک ٹن دبایا تو مانیٹر پر تیزی سے تبدیل ہوتے ہوئے ہندسے جھلکانے لگے ... اس کے ساتھ ہی اس پورے علاقے اور سمندر کی تہ کا پورا نقشہ سامنے آ گیا ... اب وہ اشاروں میں باتیں کرنے لگے:

”یہ دیکھو مانیٹر پر ... یہ وہ مقام ہے، جہاں آبدوز ریڈار سے غائب ہو گئی تھی ...“

”اس کا مطلب ہے ابا جان کہ ہمیں اس مقام پر آبدوز کو تلاش کرنا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ محمود کی بات درست ہے ... لیکن۔“

”اب یہ ایک عدد لیکن کہاں سے ٹپک پڑا ... کم از کم سمندر کی تہ میں تو بات ادھوری نہ چھوڑا کرو ...“

”کیوں ... کیا سمندر کی تہ میں بات ادھوری چھوڑنے سے آکسیجن زیادہ خرچ ہوتی ہے ...“

اچھا بس ... ہمارے پاس وقت بہت کم ہے ... دشمن کسی وقت بھی یہاں ہماری موجودگی سے باخبر ہو سکتا ہے ... اس لئے صرف کام کی بات کرو ...“ انسپکٹر جمشید نے اپنے ماسک میں سے ان کو گھورا۔

”میں تو صرف اتنا کہہ رہی تھی کہ محمود کی بات درست ہے لیکن یہ جگہ یہاں سے کافی فاصلے پر ہے ... تیر کر پہنچنے میں تو کئی گھنٹے لگ جائیں گے ...“

فرزانہ کی بات سن کر انسپکٹر جمشید کچھ نہ بولے ... بس انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود نہایت تیز رفتاری سے تیر کر آگے بڑھنے لگے ... ایک بار پھر سمندر کی تہ میں ان کا سفر شروع ہو گیا ... پندرہ منٹ بعد انہوں نے تینوں کو رکنے کا سگنل دیا ... انہوں نے دیکھا ... سامنے ایک بکپس فٹ لمبی کپسول نما چیز موجود تھی ... اندھیرے کے سبب وہ اس کی شکل و صورت اور رنگ کا کچھ اندازہ نہ کر سکے ... تینوں کی حیرت

عروج پر تھی... اس سفر پر آنے سے پہلے ان کے والد نے اس کپھول نما آبدوز کے بارے میں ان سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا... لیکن اب وہ آگے بڑھ کر نہایت اطمینان سے اس کے پینڈے میں لگا ایک چکر دار ہینڈل گھما رہے تھے... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس مقام پر ایک گول ڈھلکا اٹھ کر ایک طرف ہٹ گیا... انسپکٹر جمشید انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے اندر داخل ہو گئے... اندر جا کر انہوں نے دیکھا کہ اس آبدوز کی لمبائی پچیس فٹ اور چوڑائی دس فٹ کے ٹک بھگ تھی... اندر کی فضاء بالکل ترد تازہ تھی... بہت ہی ہلکی سی سرسراہٹ کے سوا اندر اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی... اور یہ آواز بھی شاید انجن یا جزیئر کے چلنے کی آواز رہی ہوگی... انسپکٹر جمشید کی دیکھا دیکھی تہوں نے بھی اندر آنے کے بعد بھاری آکسیجن سلنڈر اور تیراکی کے لباس سے نہات حاصل کر لی... پھر انہوں نے بیٹھ کر لمبی لمبی سانسیں لیں... اب وہ اپنے روزمرہ کے لباس میں تھے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کر سکتے تھے... اور جیسا کہ توقع تھی... سب سے پہلے فاروق کے منہ سے نکلا:

”اے کہتے ہی سمندر سے گرے کپھول میں اٹکے...“

”بالکل بے گلی بات... ہم سمندر سے گرے کب ہیں... ابھی تو

سمندر کے پتھوں بچ ہیں...“ فرزانہ جھلا کر بولی۔

”اور تم نے تو جیسے دنیا کی سب سے بڑی تک والی بات کی ہے۔“ فاروق نے چمک کر کہا۔

”ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں ٹوک جھونک کیلئے ادھار کھائے بیٹھے تھے... باتوں کی بھوک تم کو ستا رہی تھی... کپھول میں آتے ہی باتوں پر ٹوٹ پڑے۔“ محمود نے پاؤں پھیلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ کپھول کہاں سے آیا... کس کا ہے یہ کپھول... کون لایا یہ کپھول...“ فاروق کہتا چلا گیا۔

”علاءالدین کی یاد دلا دی تم نے اس انداز میں چلے بول کر۔“ انسپکٹر جمشید نے کپھول کے کنٹرول سسٹم کے لال، نیلے، پیلے ٹنوں میں سے چند ایک کو دہاتے ہوئے کہا۔ پھر بولے:

”اب یہ نہی سی آبدوز ہمیں خفیہ طور پر اس مقام تک پہنچا دے گی جہاں ہمارے ریڈار جبرال کی آبدوز کا پتا نشان کھو بیٹھے تھے... یہ پروفیسر داؤد کی ایک نئی ایجاد ہے... اس کی سب سے حیران کن خاصیت یہ ہے کہ دنیا کا کوئی بھی ریڈار سسٹم اس کو آبدوز کے طور پر نہیں پہچان سکتا۔“

”کیا ہماری بحری افواج نے اس کا استعمال شروع کر دیا ہے۔“

”نہیں... اس کے بارے میں ابھی صرف پروفیسر داؤد کے علاوہ چار افراد واقف ہیں... میں، کامران مرزا، علی عمران اور مکملہ خارجیہ کی سیکرٹ سرورس کے ڈائریکٹر جنرل سر سلطان... اور اب تم تینوں بھی۔“

”اوہ!“ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

”محمود... تم جی پی ایس کے ذریعے بتاتے رہو کہ کیا ہم صحیح رخ پر جا رہے ہیں...“

اور پھر جلد ہی وہ اس مقام تک پہنچ گئے جہاں آبدوز لاپتہ ہوئی تھی... یہاں پہنچ کر انہوں نے باریک بینی سے اطراف کا جائزو لیا... یہ ایک چٹانی علاقہ تھا اور یہ چٹانیں کافی اونچی بھی تھیں... یہاں انہیں آبدوز کو ان چٹانوں سے ٹکرانے سے محفوظ کرنے کیلئے بڑی احتیاط سے کام لینا پڑ رہا تھا... لیکن یہاں بھی کوئی غیر معمولی چیز ان کی نظروں میں نہ آسکی:

”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے... کوئی ایسی جگہ بھی نہیں جہاں آبدوز چھپائی جاسکے۔“

”اور نہ ہی کسی ڈوبی ہوئی آبدوز کے ہی کوئی آثار ہیں۔“

”یہ تو کچھ بھی نہ ہوا...“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ آبدوز کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔“

”آسمان کا تو یہاں دور دور تک پتا نہیں... ضرور زمین نگل گئی ہوگی... ویسے تو زمین کا بھی...“ فاروق کا جملہ نامکمل رہ گیا... کیونکہ اسی وقت اسپیکر جمشید کے منہ سے جوش بھری آواز نکلی:

”واہ فاروق واہ... یہ ہوئی نہ بات... اس طرف تو میرا بھی ذہن نہیں گیا تھا... یہی کہا تھا تا تم نے... کہ زمین نگل گئی... اب ہم اس زاویے سے بھی تلاش کریں گے۔“

”ابا جان... آپ کا مطلب ہے کہ آبدوز ڈوب کر کہیں ریت کی تہہ میں دب کر نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی ہو...“

”نہیں ایسا نہیں ہوتا... جو جہاز ڈوب جاتے ہیں وہ صدیوں تک ڈوبے رہتے ہیں... لیکن سمندر کی تہہ انہیں ریت میں دفن نہیں کر پاتی اور اس آبدوز کا لاپتہ ہونا تو ابھی چند ایک آدھ روز پہلے کی بات ہے۔“

”ایک صورت اور بھی ممکن ہے... وہ یہ کہ تہہ کے نیچے یا سمندر کی چٹانوں کے درمیان کسی جگہ آبدوز کو چھپا دیا گیا ہو... کیونکہ اگر آبدوز تہہ کے نیچے کہیں رد پوش ہے تو پھر ریڈار کیلئے اسے ٹریک کرنا کافی مشکل کام ہو جاتا ہے۔“

”اب یہاں ہمیں کچھ سول سے باہر نکلنا ہوگا... اور ان چٹانوں میں کوئی ایسا پوشیدہ غار یا سرنگ تلاش کرنا ہوگی جہاں جہاز کی آبدوز کو

چھپایا گیا ہو..." انسپکٹر جمشید نے یہ کہہ کر ایک نظریوں پر ڈالی اور حیراکی کا لباس پہننے لگے... دس منٹ بعد چاروں ایک بار پھر پانی میں اتر چکے تھے... اور چٹانوں کے درمیان ایک دوسرے سے الگ الگ کسی سرنگ کے دہانے کو تلاش کرنے کی سرتوز کوشش کر رہے تھے... ان کی یہ تلاش چار گھنٹے جاری رہی... پھر وہ وہاں سے واپس لوٹے... چاروں خاموش تھے... اور آپس میں بات چیت بھی نہیں کر رہے تھے... اور یہ بات واقعی انوکھی تھی... ان کی واپسی کا سفر اسی ٹھیکروں کی کشتی پر اختتام پذیر ہوا... ٹھیکروں کی ایک ہمتی سے ذرا ہٹ کر وہ کشتی سے اترے اور پیدل چلنے لگے... ایک طرف جہازوں کے درمیان انسپکٹر جمشید کی جیب کھڑی تھی... وہ جیب میں بیٹھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے... نہ جانے کیوں ان کے چہرے دبے دبے جوش سے تھما رہے تھے... جیب شہر کی طرف روانہ ہوگئی... ابھی وہ گھر پہنچے ہی تھے کہ انسپکٹر جمشید کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی... انہوں نے اسکرین پر دیکھا... فون انسپکٹر کامران مرزا کا تھا۔

☆☆☆☆☆

مکھن میں سے بال

انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا... حیرال ان کے سامنے اطمینان سے صوفے پر براجمان تھا... اور اس کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ تھی:

"تم کو یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی... ہم تو تمہاری تلاش میں جزیرے تک ہو آئے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں اور پہلے ہی جانتا تھا کہ تم لوگ وہاں جاؤ گے... لیکن اس بار کا پروگرام ذرا مختلف ہے... ویسے اس گیٹ اپ میں تم لوگوں کو پہچاننا کافی مشکل کام تھا... وہ تو تم جزیرے تک ہو آئے تو ہمارے لوگوں کی نظروں میں آ گئے... سیٹلائٹ کیمروں سے تم لوگوں کی تصویریں اتار کر مجھے بھیجی گئیں اور پھر میں تمہارا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچ گیا... تم لوگ تو کھانا دانا کھا کر اطمینان سے اوپر آئے... لیکن میں اس دوران تمہارے کمرے کا پتا لگا کر اندر داخل ہو گیا۔"

”اوہو اچھا۔“

”تم لوگ اندر آجاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ... کوئی غریب کرنے کی کوشش نہ کرنا... اس وقت تم پوری طرح میرے قابو میں ہو... تمہاری ایک ذرا سی حرکت بھی تم کو کہیں کا نہیں چھوڑے گی... اگر میری بات پر یقین نہیں تو تم کو اجازت ہے جو کرنا چاہو کر سکتے ہو۔“

”پہلے ہم بیٹھ کر آپس میں باتیں کریں گے۔“

”یہ بہت اچھی بات ہے... آخر ہماری پرانی دوستی ہے۔“ جیرال خوش دلی سے مسکرایا۔

”دوست تو خیر ہم تم کو نہیں کہہ سکتے... ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم سب اپنے اپنے کام میں نہ صرف ایماندار ہیں بلکہ اصول پرست لوگ ہیں... اور ہماری کوئی ذاتی دشمنی بھی نہیں ہے۔“ کامران مرزا یہ کہتے ہوئے بھرپور انداز میں مسکرائے۔

”چلو یونہی کسی... دیے تم لوگ اتنے اچھے ہو... اتنے عقل مند ہو اور اتنے ولیر ہو کہ تم کو دشمن کہنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔“ جیرال نے سنجیدہ لہجہ میں کہا۔

”ہم بھی یہی کہتے ہیں... کاش تم ہمارے ہم وطن ہوتے۔“ انجینئر کامران مرزا نے جواب دیا۔

”اب بات ہو جائے کام کی... تم لوگ مجھ سے سودا کر لو... اس طرح دونوں فریق فائدے میں رہیں گے۔“

”سودا... کیا مطلب؟“

”ہاں! سودا... مجھے اپنے ملک سے بغیر و عافیت نکل جانے دو۔“

”بھلا یہ کیسے ممکن ہے... ہم کیوں تم کو اجازت دینے لگے۔“

”تم لوگوں نے ابھی پوری بات نہیں سنی۔“ جیرال مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“

”نہرے پاس ایک ڈائری ہے... جیسا کہ تم جانتے ہی ہو... میں اس ڈائری سمیت اس ملک سے نکل جانا چاہتا ہوں... تم میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنو... بدلے میں میں تم کو بہت فائدہ پہنچا سکوں گا۔“

”تب پھر پہلے اس فائدے پر بات ہو جائے... بلکہ نہیں... یوں بات نہیں بنے گی... یہ بات ہم صرف اپنے طور پر طے نہیں کر سکتے... یہاں انجینئر جشید کو بھی بلانا ہوگا... لیکن وہ بھی وزیر اعظم کی منظوری کے بغیر تو معاہدہ نہیں کر سکیں گے... ورنہ پھر اس معاملے میں اور بھی سوالات اٹھیں گے۔“

”نہیک ہے... تم جن لوگوں کو بلانا چاہو بلا لو... کوئی اعتراض

نہیں۔" جیرال نے کسی گھبراہٹ کے بغیر کہا۔

اب انسپکٹر کامران مرزا نے دوسرے کمرے میں آکر انسپکٹر جمشید کے نمبر ملائے ... سلسلہ فوراً مل گیا۔ انسپکٹر جمشید نے چھوٹے ہی کہا:

"کیسے کیا رہا ... کیا آپ کی ملاقات جیرال سے ہو گئی۔"

"جی ہاں! ملاقات ہو گئی ہے ... ہم تو ان تک پہنچنے میں کامیاب

نہیں ہو سکے تھے لیکن یہ خود ہی ہم تک پہنچ گئے۔"

"تب پھر مسٹر جیرال کیا کہتے ہیں۔"

"یہ ہم سے کوئی معاہدہ کرنا چاہتے ہیں ... اب ظاہر ہے ...

آج کل کے سیاسی حالات میں اس نوعیت کا معاہدہ وفاقی کابینہ کی

وفاقی کمیٹی کی منظوری کے بغیر فائل نہیں ہو سکتا ... اور پھر آپ کا یہاں

موجود ہونا بھی ضروری ہے۔"

"اچھی بات ہے ... اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان حالات

میں میرا براہ راست صدر مملکت اور وزیر اعظم سے بات کرنا بھی ممکن

نہیں رہا ہے ... ویسے بھی نئے وزیر اعظم کو عہدہ سنبھالے ابھی ایک ماہ

ہی ہوا ہے ... سابق وزیر اعظم سے تو ایک کیس کے حوالے سے ملاقات

ہو چکی تھی ... خیر میں پہلے آئی جی صاحب سے بات کرتا ہوں ... پھر آپ

کو بتاتا ہوں ... ویسے ایک بات مجھے کھٹک رہی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"وہی جیرال کے معاہدے والی ... آخر جیرال معاہدہ کیوں کرنا

چاہتا ہے۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے ... میں سمجھ رہا ہوں آپ کا

مطلب ... آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جیرال کیلئے سمندری راستوں سے نہ

سہی لیکن زمینی راستوں کے ذریعے یہاں سے فرار ہو جانا تو مشکل نہیں

... اور پھر ویسے بھی انٹارچہ کی فوج تو ہماری سرحدوں کے ساتھ ہی موجود

ہے ... جیرال کو صرف شمالی سرحد پار کرنی ہے اور پھر وہ محفوظ ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے کامران مرزا ... معاہدہ تو لین دین

ہوتا ہے ... ہاں اگر وہ ڈاڑی کے بدلے ہم سے کچھ چاہتا ہے تو ہماری

پہنچ سے دور جا کر بھی اپنے مطالبات ہمارے سامنے رکھ سکتا ہے ...

انجمن یہ کہ وہ آسانی سے فرار ہو سکتا ہے تو ایسا کیوں نہیں کر رہا ... یعنی

کہاں تو وہ ہمارے ملک سے فرار ہونے کی سر توڑ کوشش کر رہا تھا اور

کہاں اب اطمینان سے آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔"

"ہمیں ہر صورت اس سوال کا جواب ڈھونڈنا ہو گا۔"

"بہر حال پہلے میں آئی جی صاحب سے بات کر لوں ... پھر

دیکھتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

یہ کہہ کر کامران مرزا نے فون بند کر دیا اور واپس اس کمرے میں آئے جہاں وہ تینوں اور جبرال موجود تھے:

"انسپکٹر جمشید اپنے افسران سے رابطہ کر کے بتائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

پھر چند منٹ بعد ان کے موبائل کی گھنٹی بجی ... انہوں نے دیکھا، فون انسپکٹر جمشید کا تھا:

"میں آ رہا ہوں اور محمود، فاروق اور فرزات بھی ... اور آ کر بتاتا

ہوں کہ سمیٹ کر حکام سے کیا بات ہوئی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔"

آخر آدمے گھنٹے کے انتظار کے بعد انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزات اندر داخل ہوئے۔ اندر داخل ہوتے ہی محمود نے چلا کر کہا:

"اس سے پہلے کہ ہم آپہی کی بات کر سکیں ... ایک دوسرے سے مل لیں۔"

"ضرور مل لیں۔" جبرال بولا۔

اس کی آواز سن کر وہ چونک اٹھے اور اس کی طرف مڑے۔

جبرال ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اگرچہ جبرال کے بارے میں

پہلے ہی سن چکے تھے، لیکن پھر بھی چونکا ضروری سمجھا ... کیونکہ آخر وہ جبرال تھا۔ اور جبرال تو مارا گیا تھا ... لہذا اس کا ہاتھ انہیں لینا تھا ... انہوں نے اسے سر سے جھٹک دیکھا ... اور خوب غور سے دیکھا۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

"کمال ہے ... پہلے اسے جبرال میں اور اس جبرال میں تو بال برابر بھی فرق نہیں ہے۔"

"کیونکہ میں وہی جبرال ہوں۔"

"اس سے تو خیر ہم نے انکار نہیں کیا ... سائنس بہت آگے نکل نکل گئی ہے۔"

"میں جانتا ہوں کیونکہ خود اسی سائنس کا شاہکار ہوں۔" جبرال ہنسا۔

"خوشی ہوئی جبرال تم سے مل کر ... کیونکہ ہمیں افسوس تھا کہ

تمہاری جان ہماری حمایت میں آواز اٹھانے کی وجہ سے ہی گئی تھی ... دیکھو یہ نہ سوچنا کہ اس احسان کے بدلے میں ہم تمہیں نکل جانے دیں گے ... ہم تم کو نہیں جانے دیں گے ... ڈائری تم ہمیں دے دو، تب بھی تم کو نہیں جانے دیں گے۔"

"یہ صرف تمہاری خام خیالی ہے دوست ... میں جب پا ہوں

یہاں سے اٹھ سکتا ہوں ... چنگی بھاتے ... اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری

بحریہ نے مجھے سمندری راستے سے فرار نہیں ہونے دیا تو یہ بات اپنے ذہن میں صاف کر لو کہ وہ میری ناکامی نہیں بلکہ بیچال کے نااہل آپدوز عملے کی ناکامی ہے، اب ظاہر ہے کہ آپدوز میں تو میں ان کے دم و کرم پر تھا... لہذا تم اسے میری ناکامی نہیں کہہ سکتے..."

"بالکل ٹھیک کہا تم نے جیرال... میں تمہارے منہ سے یہی انگوانا چاہتا تھا..."

"کیا مطلب..." جیرال کے منہ سے نکلا۔

"مطلب یہ کہ تم یہاں ہم سے کوئی سودا کرنا چاہتے ہو... ہے نا..."

"بالکل ٹھیک... میں ڈائری سمیت یہاں سے نکل جانا چاہتا

ہوں... تو کیوں نہ ہم ایک عدد سودا کر لیں..."

"لیکن ابھی تم نے کہا کہ تم جب چاہو یہاں سے نکل سکتے ہو

... تو پھر تم سودے کے منجھٹ میں کیوں پڑتے ہو..." انسپکٹر جمشید یہ

کہتے ہوئے طنزیہ انداز میں مسکرائے۔

انہوں نے دیکھا... انسپکٹر جمشید کی بات سن کر جیرال کا چہرہ ایک

دم تار یک پڑ گیا تھا۔ چند سیکنڈ تک اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل

سکا، شاید اس سے کوئی جواب بن نہ پڑ رہا تھا، آخر اس کے ہونٹ پلے:

"سودا تو ہمیں تم سے کرنا ہی تھا... اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا

کہ میں یہاں سے فرار ہونے کے بعد کسی اور ملک میں بیٹھ کر تم سے مذاکرات کروں یا یہاں تمہارے سامنے یہاں بیٹھ کر... کیونکہ پکاؤ تو تم کچھ نہیں سکتے میرا... رہا یہ سوال کہ میں فرار کیوں نہیں ہوا جب کہ میں آسانی سے فرار ہو سکتا تھا... تو تم نے یہ سوال اٹھایا ہے لہذا تم خود ہی اس کا جواب تلاش کرو... سوچتے رہو اور الجھتے رہو..."

باری ہے یہ کہنے کی کہ خام خیالی ہے یہ تمہاری کہ تم ہماری موجودگی میں فرار ہو سکتے ہو... مگر چھو... کام کی بات کرتے ہیں... مانگو کیا مانگتے

ہو..." انسپکٹر جمشید نے اس انداز میں کہا کہ ان سب کو ہنسی آگئی...

جیرال بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا:

"میرا نام جیرال ہے... جو معاہدہ کروں گا، اس پر پورا اتروں

گا... وعدہ خلافی نہیں کروں گا اور میں تم سے بھی یہی چاہوں گا..."

"چلو ٹھیک ہے... بتاؤ... کیا معاہدہ کرنا چاہتے ہو..."

"ڈائری تم لوگ لے لو... اور کچھ لوگ تمہارے ملک کی جیلوں

میں قید ہیں... اس ڈائری کے بدلے انہیں چھوڑ دو..."

"اوہ... یہ عجیب پیشکش ہے... ہمیں معلوم نہیں کہ اس ڈائری

میں کیا ہے، جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے... اور تم اس ڈائری کے

بدلے میں اپنے کچھ قیدی چھڑانا چاہتے ہو۔"

"یہ بات بھی نہیں۔" حیرال مسکرایا۔

"کیا مطلب... کیا بات نہیں۔"

"میں نہیں جانتا، اس ڈائری میں کیا ہے، کیا چیز درج ہے... مجھے تو بیگال نے یہ کام سونپا ہے کہ ریٹائرڈ انجینئرس افسر مشتاق احمد خان کے پاس ایک ڈائری ہے... تم وہ ڈائری حاصل کر لو... جب ان کا ملک یہ ڈائری مانگے گا تو بدلے میں ہم اپنے چند قیدی چھڑا سکیں گے، اب میں نہیں جانتا، اس ڈائری میں کیا ہے، تم لوگ بے شک یہ معاہدہ کرنے سے انکار کر دو، میں یہ ڈائری ان لوگوں تک پہنچا دوں گا... پھر وہ جانیں ان کا کام۔"

"کیسے پہنچا دو گے... اس وقت تم ہمارے ملک میں ہو اور اس ہوٹل کے کمرے میں ہیں... اور اللہ کی مہربانی سے ہم یہاں موجود ہیں... ہماری موجودگی میں اگر تم یہ ڈائری لے کر یہاں سے نکل جانے میں کامیاب ہو جاتے ہو تو بڑی بات ہے۔"

"تم بہت اچھی طرح جانتے ہو انجینئر جمشید کہ یہ کام میرے لیے مشکل نہیں... میں یہاں سے اس طرح نکل جاؤں گا جیسے مکھن میں سے بال... حیرال پھر ہنسا۔

"ہم پہلے آپس میں مشورہ کریں گے، پھر پھر تم کو بتائیں گے۔"

"کوئی اعتراض نہیں... میں یاں سو تو ہوسو جھوڑ ہوں... یہاں سے بھاگوں گا نہیں، جب تک کہ تم لوگوں کا جی بے ہوش نہیں ہو جاتا... ہاں اگر یہ معاہدہ نہ ہوا اور تم لوگوں نے مجھ پر دباؤ ڈالا تو ارادہ کیا تو پھر میں یہاں سے چلا جاؤں گا اور تم لوگ بے ہوش ہو کر کوشش کے باوجود مجھے روک نہیں پاؤ گے۔"

"اچھی بات ہے... ہم تم سے پتہ چلے گا کہ بعد ملاقات کریں گے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

اب وہ ہوٹل سے باہر اپنی گاڑی میں آئے۔ اس کے... ایسے میں ایک بڑی گاڑی وہاں آکر رکی... یوں لگتا تھا، ٹھوڑا سا... آدمی اور طوفان کی رفتار سے آئی ہو... پھر انہوں نے اس میں اٹھ کر... اور پھر وائس داؤد کو باہر آتے دیکھا... ان کے چہرے کل اسی... کیونکہ ان کے خیال کے مطابق وہ اچھے موقع پر آئے تھے... سارا... نئے کی بات تھی کہ انہیں انجینئر جمشید نے فون کر کے بلایا تھا، انہیں... کیسے پتا چلتا کہ یہ لوگ کہاں ہیں:

"السلام علیکم... انہوں نے آتے ہی سلام کیا اور... کہا۔"

"والسلام علیکم! بہت اچھا ہوا آپ کو..."

” لیکن جمشید! یہ انصاف نہیں... تم نے ابتدا ہی میں ہمیں کیوں نہیں بلایا... معاملہ ہو جیرال کا اور تم ہمیں بھول جاؤ... حیرت ہے۔“

” نہیں ہم بھولے نہیں... موقع اور محل کی تلاش میں تھے۔“

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

” لیکن جمشید... ہمیں موقعوں اور محلوں کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی۔“

” پروفیسر داؤد نے منہ بتایا اور وہ مسکرا دیے :

” پہلے ذرا اصل بات ہو جائے... میرا خیال ہے اب ہم چونکہ تعداد میں زیادہ ہو گئے ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ خان رحمان کی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر مشورہ کر لیتے ہیں۔“

” بالکل ٹھیک ہے۔“ خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ خان رحمان کی گاڑی میں آ گئے۔ خان رحمان کی یہ بڑی گاڑی دراصل ایک بڑی دین تھی... جس میں تین افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔

انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کو تفصیل سنائی... پھر بولے :

” اب سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔“

” بھئی ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ کن لوگوں کو چھڑانا چاہتے ہیں... یہ بھی معلوم نہیں کہ اس ڈائری میں کیا ہے، ڈائری ہے بھی جیرال کے

قبضے میں، ہم اسے پڑھ بھی نہیں سکتے... بھلا ان حالات میں کوئی کیا مشورہ دے سکتا ہے۔“

” ہاں یہی بات ہے... خیر ہم اس مشورے میں آئی جی صاحب کو شامل کرنے ہیں... ضرورت محسوس کی تو وزیر داخلہ اور وزیراعظم صاحبان کو بھی شامل کریں گے۔“

انسپکٹر جمشید نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے... صورتحال تو انہیں معلوم ہی تھی... بس جیرال کے معاہدے کے بارے میں معلوم نہیں تھا، چنانچہ انہوں نے یہ تفصیل بھی انہیں سنادی... پھر بولے :

” اب اس بارے میں کیا کیا جائے۔“

” صورتحال بہت عجیب ہے... مقابلے میں جیرال ہے... کوئی عام شخص نہیں... یعنی اگر ہم صاف انکار کر دیں اور اس سے کہہ دیں ہم تمہیں گرفتار کر کے ڈائری تم سے حاصل کر سکتے ہیں تو ہم تم لوگوں کو قیدی کیوں دیں... اور اس کے بعد ظاہر ہے... اس سے جنگ ہوگی... اس صورت میں وہ ہی باتیں ہو سکتی ہیں... یا تو ڈائری ہمارے قبضے میں آجائے گی... ورنہ وہ فرار ہو جائے گا اور اگر وہ فرار ہو گیا تو ڈائری کا راز ہمیشہ کے لیے راز ہی رہ جائے گا اور ہم زندگی بھر یہی سوچتے رہیں گے کہ نہ جانے اس ڈائری میں کیا معلومات درج تھیں...

ان حالات میں پہلے اس سے یہ پوچھا جائے کہ وہ کن لوگوں کو جیل سے نکلوا کر اپنے ملک میں لے جانا چاہتا ہے۔ دیکھیں تو سبھی ... وہ کون سے قیدی ہیں اور ہم انہیں رہا کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔“

”ٹھیک ہے سر... پہلے ہم اس سے ان قیدیوں کے نام معلوم کرتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے، تم ان قیدیوں کے نام مجھے بتاؤ گے ... پھر ہم فیصلہ کریں گے کہ کیا کرنا ہے۔“

”اچھی بات ہے سر۔“

فون بند کر کے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

”سب لوگوں کو وہاں جانے کی ضرورت نہیں... ہم میں سے

ایک چلا جائے اور اس سے نام پوچھ آئے۔“ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا ... میرے خیال میں اس کام کے لیے

فرزادہ بہتر رہے گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ سب بولے۔

”جاؤ فرزادہ! جیرال سے ملو اور اس سے پوچھ کر ان قیدیوں

کے نام لکھ کر لے آؤ... جنہیں وہ چھڑانا چاہتا ہے۔“

”جی ابا جان!“

فرزادہ گاڑی سے نکل آئی... ہوٹل میں داخل ہوئی اور لفٹ کے ذریعے اوپر کمرے کے دروازے پر پہنچی... دنگ کے جواب میں جیرال نے دروازہ کھول دیا... پھر وہ مسکرا دیا... اور بولا:

”میرا بھی یہی خیال تھا... میں نے سوچا تھا کہ وہ مزید معلومات کے لیے تمہیں بھیجیں گے...“

”آپ اندازے لگانے میں ماہر معلوم ہوتے ہیں۔“

”یہ بات کہی جاسکتی ہے... خیر تو تمہیں قیدیوں کے نام معلوم کرنے کے لیے بھیجا گیا ہوگا۔“

”ہاں!“

”میں نے نام پہلے ہی لکھ کر رکھ لیے ہیں... یہ کاغذ لے جاؤ۔“

فرزادہ نے اس سے کاغذ لے لیا اور واپس لوٹ آئی۔

اب انہوں نے چٹ پر لکھے ہوئے نام پڑھے... وہ کل پانچ نام تھے اور پانچوں ایسے تھے کہ انہوں نے نہیں سنے تھے:

”یہ نام مشہور و معروف تو ہیں نہیں۔“ پردیفر بولے۔

”جی ہاں! لیکن زیادہ درست بات آئی جی صاحب بتائیں گے

کہ ان پانچ افراد کو کیوں گرفتار کیا تھا۔“

انہوں نے آئی جی صاحب کو فون کیا... سلسلہ ملنے پر قیدیوں کے

نام بتائے... انہوں نے نام فوٹ کرنے کے بعد کہا:

”میں کچھ دیر بعد فون کروں گا جمشید... کیونکہ پہلے تو یہ معلوم کرنا ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں تفصیلات کیا ہیں... پھر پرائم صاحب سے بات کی جائے گی، اس کے بعد میں تمہیں فون کروں گا۔“

”اچھی بات ہے۔“

انہوں نے فون بند کیا ہی تھا کہ ایک ایک جانی پہچانی آواز ان کے کانوں سے نکرائی... وہ بڑی طرح اچھلے:

☆☆☆☆☆

<http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com>

<https://www.facebook.com/Ishtiaq.Ahmed.Novels>

جزیرے پر

”السلام علیکم۔“

یہ شوکی برادرز کی چمکتی آواز تھی:

”وعلیکم السلام!“ ان سب نے ایک ساتھ کہا۔

”لو یہ بھی ٹپک پڑے۔“ فاروق نے بڑا سامنہ بنایا۔

”آپ نے سنا انکل... یہ ہمیں آم کہہ رہا ہے۔“ آفتاب نے تیز لہجے میں کہا۔

”آموں کے موسم میں آم نہیں کہوں گا تو کیا کدو کہوں گا۔“ فاروق نے ہانک لگائی۔

”تم یہاں تک کیسے آگئے بھائی... نکلت تو ہم نے تمہیں بھیج دیے تھے لیکن یہ تو نہیں بتایا تھا کہ ہم ہیں کہاں... ہماری یہاں موجودگی کا تو کسی کو پتا ہی نہیں ہے۔“ آصف نے قدرے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہمیں انکل کامران مرزا نے فون کیا تھا۔“ مکھن کے منہ سے نکلا۔

”آؤ شوکی بنھو... بہت اچھے موقعے پر آئے... ہم تم لوگوں کی
کی شدت سے محسوس کر رہے تھے... دراصل پہلے ہم نے یہی سوچا تھا
کہ ایک دوسرے سے رابطے میں رہے بغیر کام کریں گے... لیکن پھر
حالات نے کچھ اس طرح رخ بدلا کہ میں نے تم لوگوں کو ساتھ ملانا بہتر
سمجھا... کیونکہ مقابلے کے میدان میں ہم تمہارے بغیر نہیں کودنا چاہتے
تھے... آخر یہ معاملہ تم سے ہی تو شروع ہوا تھا۔“ کامران مرزا کہتے
چلے گئے۔

”جی... جی کیا فرمایا آپ نے... مقابلے کا میدان... کہاں ہے
مقابلے کا میدان۔“ شوکی گھبرا گیا۔

”حد ہوگئی... یہ حضرت تو صرف مقابلے کا میدان کا سن کر گھبرا
گئے... مقابلہ ہوا تو یہ کیا کریں گے... وہ بھی جیرال سے مقابلہ۔“
محمود نے چلے کئے لہجے میں کہا۔

”یہ تو وقت بتائے گا۔“ اخلاق نے محمود کو گھورا۔

”اچھا جب بتائے گا تو مجھے بتا دینا۔“ محمود کہاں رکے والا تھا۔

”بھئی یہ ادھر ادھر کی باتوں کا موقع نہیں... ان کیلئے بعد میں
وقت نکل آئے گا... اس وقت ہمیں ایک عجیب صورتحال کا سامنا ہے
... پہلے اس کے بارے میں فیصلہ کرنا ہے... اور ہمیں انتظار کرنا ہے

آئی جی صاحب کے فون کا۔“

”جی... کیا مطلب؟“ شوکی چونکا۔

اور انسپکٹر جمشید اسے تفصیل سنانے لگے... ابھی انہوں نے بات
پوری کی تھی کہ ان کے موبائل کی تھکنی بجی... انہوں نے دیکھا... فون
آئی جی صاحب کا تھا۔ انہوں نے فوراً فون دبا دیا:

”جمشید میں نے وزیر داخلہ سے بات کی ہے... انہوں نے بتایا
ہے کہ ان قیدیوں میں کوئی خاص قیدی نہیں... کوئی اہم دشمن شخص نہیں
ہے... لیکن وزیر داخلہ صاحب نے کہا ہے کہ...“ آئی جی صاحب کہتے
کہتے رک گئے۔

”لیکن کیا سر۔“

”لیکن ان کا کہنا ہے کہ جب جیرال ہمارے قبضے میں ہے...
ہمارے گھیرے میں ہے... خود ہم اپنے قیدی اس کے حوالے کیوں
کریں... وہ بھی ایک ایسی ڈائری کے بدلے میں جس کی اہمیت کا ہمیں
پتا تک نہیں۔“

”لہذا انکار کر دیں اور اسے گرفتار کر کے اس سے ڈائری حاصل
کر لیں۔“

”یہ کہا ہے وزیر داخلہ صاحب نے۔“ انسپکٹر جمشید نے حیران ہو

کر پوچھا۔

”ہاں جہشید!“

”کیا انہیں معلوم نہیں کہ جیرال کیا چیز ہے۔“

”میں نے یہ بات کہی تھی... لیکن ان کا کہنا ہے کہ وہ نہیں جانتے جیرال کون ہے اور یہ کہ انہیں اس سے کوئی غرض بھی نہیں ہے۔“

”کیا آپ نے انہیں بتایا نہیں کہ جیرال ایک انتہائی تیز طرار بین الاقوامی کرائے کا دہشت گرد ہے... جو بڑی طاقتوں کے اشارے پر ان سے رقیں لے کر کئی ملکوں کی حکومتوں کے تختے الٹ چکا ہے... کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو یہی جیرال موجودہ حکومت کا تختہ بھی نہ الٹ دے... کسی ملک میں جیرال کا پایا جانا وہاں کی حکومت کا ڈبا گول ہونے کی نشانی بھی سمجھی جاتی ہے۔“

”وزیر داخلہ صاحب یہ ماننے کے لیے تیار نہیں... دراصل وہ جیرال کے بارے میں کچھ زیادہ جانتے بھی نہیں ہیں... اور تمہیں تو پتا ہی ہے کہ انہیں قومی سلامتی کے معاملات سے کس حد تک دلچسپی ہے... بچارے اپنے ہی طوے مانڈے میں بری طرح الجھے ہوئے ہیں۔“

”آپ کا مطلب ہے... وہ ہمیں جیرال کے خلاف لڑنے کا حکم دے رہے ہیں۔“

”ہاں!“

”تو ٹھیک ہے... ہم لڑیں گے... اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے۔“

”بس تو پھر اسے گرفتار کر کے اس سے وہ ڈائری حاصل کر لی جائے... پھر ڈیسائفر (decipher) کے ماہرین سے اسے پڑھوایا جائے... جو اسے ڈی کوڈ کر کے سمجھ جانے کے لائق بنا سکیں۔“

”جی بہتر!“

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا اور بولے:

”مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ یہ حکم ملے گا... آؤ اب جیرال سے دو دو باتیں کریں۔“

”دو دو باتیں یا دو دو ہاتھ۔“ آصف نے فوراً کہا۔

”پہلے باتیں، پھر ہاتھ۔“ آفتاب بول اٹھا۔

”کیا یہ کوئی محاورہ ہے۔“ فاروقی نے پوچھا۔

”ہاں! ابھی ابھی تیار ہوا ہے۔“ آفتاب مسکرایا۔

”تیار تو اس طرح کہہ رہے ہو جیسے محاورات کا کوئی کارخانہ ہو

جہاں روز نئے نئے محاورے تیار ہو کر نکلتے ہوں۔“

”اگر نہیں ہے... تو قائم ہو جائے گا۔“ آفتاب نے فوراً کہا۔

"بھر دی بے نگہی بات... اب تم سے کون مغر بارے۔" فاروق جھلا اٹھا۔

"ہم سب۔" اس نے فوراً کہا۔

"لگتا ہے کہ... ترکی پہ ترکی جواب دینے پر ادھار کھائے بیٹھے ہو۔" محمود نے تڑ سے جواب دیا۔

"ادھار کھائیں ہمارے دشمن۔"

"اچھا بابا! تم بارے ہم جیتے۔" فرزاد نے ہنس کر کہا۔

"شکریہ شکریہ... ہائیں ہائیں... تم بارے ہم جیتے... الٹ کہہ گئیں۔" فرحت نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

"انکل! شوکی کی آواز ابھری۔

"ہاں شوکی!"

"م... میں گھبراہٹ محسوس کر رہا ہوں اور یہ گھبراہٹ میں بہت خاص موقعوں پر محسوس کرتا ہوں۔"

"م... میرا بھی یہی حال ہے۔" فرزاد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"کیا تم لوگ یہ محسوس کر رہے ہو کہ ہم جیرال کے مقابلے میں ہار جائیں گے..."

"یہ بات نہیں... ہم اپنی گھبراہٹ کو کوئی نام نہیں دے سکتے۔"

"خیر... کوئی بات نہیں... اللہ مالک ہے... چلو چلیں۔"

وہ جیرال کے کمرے کے دروازے پر آئے... دستک دی گئی... ایک منٹ گزر گیا... کوئی آواز سنائی نہ دی... اب دوسری دستک دی گئی... کوئی جواب نہ ملا... اب تو وہ پریشان ہو گئے... دروازے کو اندر سے لاک کر دیا گیا تھا۔

"ان حالات میں ہم جیرال کے فون کا انتظار کریں گے، کیونکہ ہم جانتے ہیں۔"

"ہم جانتے ہیں، کیا جانتے ہیں۔" آصف نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ کہ وہ ہمیں فون کریں گے، ہمیں اطلاع کئے بغیر وہ ہرگز ملک سے نہیں جائے گا۔"

میں اسی وقت ان کے موبائل کی ٹھنٹی بجی... انہوں نے دیکھا، اسکرین پر جیرال لکھا نظر آ رہا تھا... انہیں اس بات پر بہت حیرت ہوئی... کیونکہ ان کے پاس تو جیرال کا نمبر ہی فیڈ نہیں تھا، پھر کس طرح ان کے موبائل کی اسکرین پر اس کا نام نظر آ سکتا تھا... انہوں نے موبائل آن کیا تو جیرال کی آواز سنائی دی:

"میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کو یہ حکم ملا ہے کہ مجھے گرفتار کر لیا

جائے... تو میں موت کے جزیرے پر تم لوگوں کے استقبال کے لیے تیار ہوں... یہاں آجاؤ اور مجھے شکست دے دو... اور مجھ سے ڈائری واپس لے لو... ورنہ میں یہ ڈائری لے جا کر بیگال پہنچا دوں گا... پھر وہ چائیں اور ان کا کام... ہاں اگر وہ مجھے دوسرا پروجیکٹ دیں گے کہ تمہارے ملک سے ان قیدیوں کو نکال کر لے آؤں تو پھر میں واپس آؤں گا اور ان کو بھی نکال لے جاؤں گا۔"

"اچھی بات ہے... مسٹر جیرال! ہم آرہے ہیں۔"

اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا:

"بس تو پھر ہم گھر چل کر سفر کی تیاری کرتے ہیں... اپنے اپنے

ہتھیار بھی تو ساتھ لینے ہوں گے۔"

"بالکل ٹھیک کہا جشید۔" پروفیسر داؤد خوش ہو کر بولے۔

"آپ کو اپنے ہتھیاروں کے سلسلے میں تجربہ گاہ تو نہیں جاتا۔"

"نہیں! میرے پاس کافی چیزیں ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن اس کے باوجود ہمیں اپنے اپنے

ہتھیاروں سے لیس ہونا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے... پہلے گھر چلے ہیں۔" انہینز کا مران مرزا نے اتفاق کیا۔

"اور مجھے ایسے میں انکل منور علی خان یاد آرہے ہیں۔" آصف بولا۔

"آؤ۔" فرحت کے منہ سے درد بھرے انداز میں نکلا۔

"کوئی بات نہیں! ہم ان سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش کر لیتے

ہیں، اگر ان کے لیے ممکن ہوا تو وہ بھی آجائیں گے۔"

"لیکن ابا جان! ہمارے پاس اتنا وقت کہاں ہے... ہمیں تو

تیاری مکمل کرتے ہی جزیرے کا رخ کرنا ہے۔" آفتاب بول اٹھا۔

"ہوں... خیر... دیکھا جائے گا۔"

اور پھر وہ گھر سے تیاری کر کے ساحل پر پہنچے... سورج نکلنے میں

شاید ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا... صبح کا اجالا ابھی پھیلا نہیں تھا... وہاں ان کے

لیے محکمہ سرائی کی لالچ تیار تھی... جزیرے کا انہیں پتا ہی تھا... اس

لیے وہاں تک پہنچنے میں کوئی وقت نہ ہوئی... ابھی وہ جزیرے کے

ساحل پر پہنچے بھی نہیں تھے کہ ایک بلند آواز گونجی:

"خوش آمدید پرانے دوستو... آج مقابلہ بھی ہوگا اور کچھ اہم

باتیں بھی... تم لوگ آجاؤ اور لالچ واپس کر دو... یہ واپس شہر کے

ساحل پر پہنچنے سے پہلے نہ رکے۔"

"اوکے۔" انہینز جشید مسکرائے... پھر وہ ساحل پر آگئے۔

لالچ واپس چلی گئی:

"دیے اب آپ با اصول نہیں رہے انکل جیرال... " فاروق کی

آواز جڑے میں گونجی۔

”تمہارا اشارہ میرے ہوٹل کے کمرے سے جہیں بغیر اخراج دیے نکل آنے کی طرف ہے تو میں یہ بتا دوں کہ تمہارے والد اور آئی جی پولیس کے درمیان ٹیلیفون پر ہونے والی پوری بات چیت میں نے ہوٹل کے کمرے میں بیٹھے بیٹھے سن لی تھی... اب یہ ہچکانہ سوال نہ پوچھنا کہ کیسے... اور میں یہ جان چکا تھا کہ مجھے گرفتار کرنے کے احکامات دیے گئے ہیں... تو اس طرح مجھے جواب مل چکا تھا... تو پھر کیا میں اپنی گرفتاری کے انتظار میں وہاں بیٹھا رہتا۔“

”ہاں تو کیا اہم باتیں تھیں، جو بتا رہے تھے تم مسز جی رال۔“

انسپکٹر کامران مرزا بول اٹھے۔

”جن ملکوں کے لیے اس وقت میں کام کر رہا ہوں، ان قیدیوں کا تعلق وٹمنی ملکوں سے ہے... اور اس ڈائری کا تعلق بھی انہی ملکوں سے ہے... ہر مطلب ہے... میری معلومات یہی ہیں... میں اس سلسلے میں کسی قسم کی کوئی غلط بیانی نہیں کر رہا... مجھے کیا بتایا گیا ہے... تم لوگوں کے سامنے تین راستے ہیں... مجھ سے جنگ کر کے مجھے قتل دے دو... اپنی ڈائری مجھ سے حاصل کر لو... ڈائری میری کمر کے ساتھ چبکی ہوئی ہے... میری قتل کی صورت میں تم اسے اتار سکو

گے... دوسری صورت میں میں تم کو قتل دینے میں کامیاب ہو جاؤں گا... تم پر قابو پالوں گا... اس وقت میں اپنے قیدی تم لوگوں کے بدلے میں چھڑا لوں گا... اور میں جانتا ہوں کہ تمہاری حکومت یہ ڈائری کے بدلے میں نہ سہی لیکن تم لوگوں کے بدلے ہمارے قیدی رہا کرنے پر ضرور تیار ہو جائے گی... اور پھر میں یہ ڈائری بھی لے جاؤں گا... تم لوگ مجھ روک نہیں سکو گے... اور یہ تم لوگوں کی بدترین قتل ہوگی... اور میں دراصل اسی لیے آیا ہوں۔ اب وہ گیا تمہارا راستہ... وہ ہے صلح کا راستہ... تم ہمارے قیدی رہا کر دو... اور مجھے میری آبدوز سمیت نکل جانے دو، میں ڈائری تم کو دے کر چلا جاؤں گا... اب تم اپنا فیصلہ بنا سکتے ہو۔“

”ہم تم سے جنگ کریں گے۔“ انسپکٹر جھید نے کہا۔

”کیا یہ فیصلہ عقل مندانہ ہے۔“

”یہ تمہارا اچھا فیصلہ نہیں ہے... ہماری حکومت کا فیصلہ ہے...“

فیصلے کا اختیار اگر مجھے دیا جاتا تو ڈائری تم سے لے لیتا اور ان قیدیوں کو رہا کروا دیتا... لیکن تم کو فرار نہ ہونے دیتا اور نہ تمہاری آبدوز کو... لیکن حکومت کی مرضی... میں کچھ نہیں کر سکتا۔“

”ٹھیک ہے... یہ اعلان جنگ ہے... صلح کی بات قسم۔“

”تو پھر آجاؤ میدان میں۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔

اس وقت تک وہ حیرال کی آواز سنتے رہے تھے۔ حیرال انہیں نظر نہیں آیا تھا... اب اس نے کہا۔ ”میں جزیرے پر موجود ہوں... تم مجھے تلاش کر لو اور کر دو سب مل کر مجھ پر حملہ... ادھر میں تم لوگوں کی تاک میں ہوں... میری زد پر جو آئے گا... میں اسے اڑا دوں گا۔“

”گو یا تم کل کر میدان میں نہیں آؤ گے۔“ کامران مرزا نے بڑا

سامنا بتایا۔

”کیوں نہیں آؤں گا... ضرورت محسوس کی تو آؤں گا اور اگر میں نے سامنے آئے بغیر ہی تم سب کا کام تمام کر دیا تو باتوں پیروں کو تھکانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”لیکن یہ انصاف نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”تم جزیرے پر پہلے سے موجود ہو... ہم اب آئے ہیں... تم ہماری نظروں سے اوجھل ہو... جب کہ تم ہمیں کہیں چھپ کر دیکھ رہے ہو... تم آسانی سے ہمیں نشانہ بنا سکتے ہو۔“

جنگ کا کیا ہے... جنگ میں تو یہ حربہ آزمایا جاتا ہے... اب یہ تو نہیں ہوتا کہ ہم دشمن سے کہیں کہ بھی دشمن میاں! ہمارے پاس تو تیر

کمان ہے لہذا تم بھی اپنی میزائل ایک طرف اٹھا رکھو اور ہمارے ساتھ لڑنا ہے تو تم بھی تیر کمان لاؤ اور پھر ہم سے لڑو... لہذا تم لوگ اعتراض نہیں کر سکتے... تم نہ آتے جزیرے پر... اب میری مرضی ہے... میں سامنے آؤں یا نہ آؤں... اگر تم لوگ اس بات کو اپنے لئے خطرناک سمجھتے ہو تو میری شرط مان لو، ڈائری لے لو قیدی چھوڑ دو۔“

”نہیں! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ لہذا جنگ شروع۔“ انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔

یہ ایک طرح کا اشارہ تھا... اس اشارے کے ساتھ ہی سب لوگ ریت پر گر پڑے اور لڑھکتے ہوئے درختوں کی اوٹ میں ہو گئے:

”بہت خوب! اسے کہتے ہیں عقل مندی... ظاہر ہے میں جزیرے کے کنارے پر تو ہو نہیں سکتا... ایک طرح سے وقتی طور پر تم لوگ مجھ سے محفوظ ہو گئے... اب سوچ مجھ کر آگے بڑھنا... پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی...“

”آپ فکر نہ کریں اگلے حیرال۔“ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

”دیے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا... ان بچوں کو یہاں نہیں لانا چاہیے تھا... یہ بچے مجھے بہت عزیز ہیں... میں ان کا خون بہاتے ہوئے تکلیف محسوس کروں گا۔“

"واہ! یہ اچھی ہمدردی ہے... اگر ایسا ہی ہے... تو نہ کریں ہم سے جنگ اور ڈائری ہمارے حوالے کر دیں۔" فرزانہ بول پڑی۔

"افسوس!" جہرا ل کی سرد آہ سنائی دی۔

"کیا ہوا انکل جہرا ل... خیر تو ہے۔"

"اب میں یہ بھی نہیں کر سکتا... کیونکہ اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں

ہوگا... کیونکہ... میں یہ ڈائری تم لوگوں کو دے بھی دوں... تو بھی تم

لوگ مجھے جانے کی اجازت تو دو گے نہیں... پھر بھی گرفتار تو کرو گے

... اس لیے اب جنگ کے سوا کوئی چارہ نہیں... اب باتوں کا وقت ختم

... اور میرا پہلا وار شروع۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی جزیرے پر ایک عجیب بولنے والا آواز سنائی دی۔

☆☆☆☆☆

آواز کی جنگ

یہ آواز ایسی تھی کسی دبیل مچھلی نے زور دار سانس لیا ہو... اور

اس کی سانس کے ساتھ نہ جانے کتنی مچھلیاں وغیرہ اس کے پیٹ میں

چلی گئی ہوں... اس آواز کو سن کر ان کے جسموں پر کچکی طاری ہو گئی:

<http://ishtiaqahmed-novels.blogspot.com>
<https://www.facebook.com/Ishtiaq.Ahmed.Novels>

"اللہ اپنا رحم فرمائے... دبیل تو جہاز کو الٹ دیتی ہے۔" شوکی

گھبرا کر بولا۔

"تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے تمہارا کوئی جہاز یہاں سمندر میں

کھڑا ہو اور تمہیں ڈر ہو کہ کہیں دبیل اسے الٹ نہ دے۔" فاروق نے

اسے گھورا۔

"دہ پرانے زمانے کے بادبانی جہاز ہوتے تھے... آج کل کے

جہازوں کو تو ایک ہزار دبیل مچھلیاں مل کر بھی نہیں الٹ سکتیں... خیر

کوئی بات نہیں... دبیل جزیرے پر نہیں آئے گی... لہذا ہمیں جہرا ل کی

طرف توجہ دینی چاہیے۔“ آفتاب فلسفیانہ انداز میں بولا۔

”ارے باپ رے۔“ فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

”اب تمہیں کیا ہوا۔“

”کہیں یہ آواز معنوی تو نہیں تھی... اور مسٹر جیرال نے ہماری

توجہ اس طرف کرنے کی وجہ سے کسی آلے کے ذریعے پیدا کی ہے۔“

فرزانہ نے چونکنے کے انداز میں کہا۔

”اس کا امکان ہے، لیکن ہمیں اس سے کیا... مسٹر جیرال آپ

کہاں ہیں...“ فرحت نے روانی کے عالم میں کہا۔

”میں اتنا بیوقوف نہیں۔“ جیرال کی آواز اوپر سے سنائی دی۔

ان کے چہرے اوپر اٹھ گئے... لیکن آس پاس جیرال کہیں نظر نہ

آیا... جب کہ آواز سے یوں محسوس ہوا تھا، جیسے وہ آس پاس کے کسی

درخت پر چڑھا ہوا ہے۔“

”معاف کیجیے گا انگل... آپ کے جیلے کا مطلب یہ مٹا ہے کہ

آپ کسی حد تک بیوقوف ہیں۔“ فاروق مسکرایا۔

”کوئی پروا نہیں، تم مجھے جتنا ہی چاہے بیوقوف خیال کر لو۔“

اس مرتبہ کی آواز زمین سے آتی محسوس ہوئی... ایک بار پھر وہ

آواز کی سمت مزے... لیکن جیرال وہاں بھی نہیں تھا۔

”انگل جیرال! یہ آپ ہم سے کیسا کھیل کھیل رہے ہیں۔“

فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

”ہا ہا... ٹھیک کہا... یہ بلی اور چوہے والا کھیل ہے۔“ جیرال ہنسا۔

”تو کیا اس کھیل میں آپ بلی ہیں؟“ آفتاب نے پوچھا۔

”یہ کیوں نہیں کہا کہ اس کھیل میں ہم چوہے ہیں۔“ جیرال پھر ہنسا۔

”وہ... بات یہ ہے انگل کہ ہم انسان ہیں نا۔“ فرحت کی آواز

سنائی دی۔

”اوہو... پوچھنے والی بات پوچھی نہیں... اور ادھر ادھر کی ہانکنے

گئے۔“ پروفیسر داؤد بڑا مان گئے۔

”اوہ ہاں... واقعی... تب پھر انگل پوچھنے والی بات آپ پوچھ

لیں ذرا۔“ محمود کی آواز ابھری۔

”ہاں! کیوں نہیں... انگل جیرال... ارے باپ رے... میں

بھی ان بچوں کی ترنگ میں انگل کہہ گیا... مجھ سے تو جیرال صاحب

آپ بہت چھوٹے ہوں گے۔“

”آپ نے ٹھیک کہا پروفیسر صاحب...“

”اچھا تو مسٹر جیرال... یہ ہم کیا دیکھ... نہیں بلکہ سن رہے

ہیں... کبھی تمہاری آواز ایک طرف سے آتی ہے تو کبھی دوسری طرف

سے اور کبھی بچے سے آتی ہے تو کبھی اوپر سے ... آخر ایسا کس طرح ہے، کیا تم نے اس جڑ سے پہلے جگہ اسپیکر فٹ کر رکھے ہیں؟

"اسپتہ بیروں کی طرف دیکھیں پروفیسر صاحب۔" جیروال کی مستراتی آواز گونجی۔

پروفیسر راؤد اس مرتبہ تو انہیں ہی پڑے۔ ساتھ ہی جیروال کا تقبیہ سنائی دیا، کیونکہ اس مرتبہ آواز ان کے بیروں کی طرف سے آئی تھی:

"یہ ... یہ کیا ... یہ کیا؟" وہ چلا اٹھے۔

"میں دیکھ لوں ... کیا آپ کے بیروں کے آس پاس کوئی اسپیکر نظر آ رہا ہے ... یا زمین میں فنی محسوس ہو رہا ہے؟"

"نہیں۔"

"میں تو پھر اسے میرا کمال خیال کر لیں پروفیسر صاحب۔" اس نے جس کر کہا۔ اس بار آواز اسپیکر جیلہ کے آس پاس سنائی دی۔

"نت ... تو کیا آپ ایس اب بھی دیکھ رہے ہیں؟" جیروال نے حیران ہو کر بولا۔

"یہ میں کیوں بتاؤں ... لیکن ہو تو تم لوگ آخر ان درختوں کے پیچھے ہی ... جو جڑ سے کے کنارے پر ہیں ..."

"آپ یہ کمال کس طرف کر لیتے ہیں؟" آصف کے لہجے میں

بلا کی حیرانی تھی۔

"میں اس فن کا ماہر ہوں اور یہ فن میں نے فی قہری بی سے سیکھا تھا۔" اس مرتبہ آواز خان رحمان کے آس پاس سے سنائی دی تھی۔

"فی قہری بی؟ یہ کیا بلا ہے؟" انھوں نے منہ ہلایا۔

"تاؤ اسپیکر جیلہ ... یہ فی قہری بی کس بلا کا نام ہے؟"

"میرا اس سے کبھی سامنا تو نہیں ہوا ... لیکن میں نے اس کے کاروائے سے جیس ... فی قہری بی دراصل تحریک یا بھل بی آف ہوسٹیا کا مختلف ہے ... ٹریو لینڈ کی اہم ترین رکن ... اور اس قسم کے بے شمار فنون کی ماہر ... جس کا مظاہرہ ابھی جیروال نے کیا ہے ... اتنی تیز طرار کہ کڑی فریدی اور علی عمران جیسے ناقابل شکست سرافرسانوں کی گرفت میں بھی نہ آئی۔"

"یہ واقعی کمال کی بات ہے۔" خان رحمان مسکرائے۔

"لیکن ابا جان ... اس طرح کیسے کام چلے گا؟" فرزانہ کی فکر مند آواز سنائی دی۔

"کیا مطلب ... فرزانہ ... یہ تم نے کیا پوچھا؟" آصف بولا۔

"میں سمجھ گیا ... فرزانہ کا مطلب ہے ... آواز کے اس کمبل سے تو ہم پکڑا کر رہ جائیں گے۔" فاروق کی آواز ابھری۔

”اوہ... اوہ“ ان سب کے منہ سے مارے پریشانی کے عالم میں نکلا، کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ اس صورت میں جیرال سے جنگ جیتنا آسان کام نہیں تھا... اپنی آواز کے اس فن سے وہ انہیں خوب چکرا سکتا تھا اور اس کے اس فن کا ان کے پاس کوئی علاج بھی نہیں تھا۔ یہ بات ان کے سامنے پہلی بار آئی تھی اور پہلی بار اس لیے آئی تھی کہ پہلے جیرال نے تو ان پر یہ نہیں آزمایا تھا...

لیکن بہر حال انہیں اس سے مقابلہ کرنا تھا۔ البتہ ایک بار کرنل فریدی نے انسپکٹر جمشید کو بتایا تھا کہ تقریباً بھل بی آف یوسیا اس فن کی ماہر تھی۔

”کس سوچ میں گم ہو گئے... آخر تم مجھ پر حملہ کیوں نہیں کرتے... میں اس جزیے میں موجود ہوں... جزیہ بہت زیادہ بڑا بھی نہیں ہے... کہ مجھے ڈھونڈ نہ سکو... مجھے ڈھونڈ لو اور مجھ پر حملہ کر دو اور مجھے شکست دے کر یہ ڈائری حاصل کر لو، جیرال سے یہ مقابلہ تم کو زندگی بھر یاد رہے گا...“

یہ آواز ان سب نے سامنے سے آتی سنی تھی... وہ پریشان ہو گئے۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے: ”میرا خیال ہے یہ بات انصاف سے دور ہے۔“

”کون سی بات؟“

”تم چپے ہوئے ہو اور ہم سامنے... تم سامنے آکر مقابلہ کر لو۔“
”لیکن یہ بھی انصاف کیسے ہو گیا۔“ جیرال ہنسا۔
”کیا مطلب؟“

”میں اکیلا ہوں اور تم لوگ ایک درجن کے قریب... انصاف تو پھر یہ ہے کہ تم میں سے ایک وقت میں مجھ سے صرف ایک مقابلہ کرے... اگرچہ یہ بھی انصاف نہیں، کیونکہ ایک اکیلے کو بارہ آدمیوں سے باری باری مقابلہ کرنا پڑے گا، لیکن بہر حال مجھے یہ منظور ہے۔“
”ٹھیک ہے... میں آتا ہوں مقابلے پر۔“ انسپکٹر جمشید بولے۔
”اور یہ مقابلہ ہتھیاروں کے بغیر ہوگا... نہ تم ہتھیار استعمال کرو گے... نہ میں۔“

”اور تم آواز کا حربہ بھی استعمال نہیں کرو گے۔“

”یہ بات منظور نہیں... میں موقعے محل کے اعتبار سے اپنی آواز سے کام لوں گا... یہ کون سی جنگ کا اصول ہے کہ دشمن کے پاس جو ہتھیار نہ ہو تو دوسرا فریق بھی وہ ہتھیار استعمال نہ کرے... لیکن چلو ٹھیک ہے... فی الحال میں آواز کا حربہ استعمال نہیں کروں گا۔“

”اچھی بات ہے... یونہی سنی... تم سامنے آ جاؤ... میں بھی سامنے آ رہا ہوں... یہ وعدہ رہا کہ ہم بھی ہتھیار استعمال نہیں کریں گے۔“

"اچھی بات ہے... یونہی کہی... ویسے جو میں نے سوچا تھا، وہ نہیں ہوا... میں تو تم لوگوں کو اپنی آواز سنا سنا کر پاگل کرنے کی ٹھان چکا تھا... ورنہ مجھے تو ہاتھ پیر ہلانے کی ضرورت ہی نہیں۔"

"خیر تم یہ دعویٰ نہ کرو... انسپکٹر جمشید نے بڑا سا منہ بنایا۔"

"کیا مطلب؟" اس کی آواز اس طرح آئی جیسے یہ بات اس نے چونک کر کہی ہو۔ لہجے میں غراہٹ کا عنصر بھی نمایاں تھا۔

"میں نے بھی پروگرام بدل دیا... اب یوں کرو کہ تم پہلے اپنی آواز کی حسرت نکال لو۔"

"تنگ... کیا... کیا ابا جان۔" فاروق چونکا۔

"ہاں ہاں کہہ دو... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" آفتاب نے جل کر کہا۔

"اب میں کیا کہوں گا... تم نے کہہ تو دیا۔" فاروق مسکرا کر بولا۔

"چپ رہو تم دونوں۔" انسپکٹر کا مرزا جھلا اٹھے۔

"جو چپ رہے گی زبان، نخر، لہو پکارے گا آستیں کا۔" شوکی گھٹنایا۔

"لو... یہ چپ ہوئے ہیں۔" آصف بولا۔

"خاموش!" انسپکٹر جمشید نے ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

"جی ایہ لیجیے... ہو گئے خاموش... ہمارا کیا جاتا ہے خاموش

ہونے میں... ویسے بھی ایک خاموشی سو کو ہارے... یعنی ناچ نہ جانے آگن ٹیڑھا۔" فاروق نے بڑا سا منہ بنایا کر جلدی جلدی کہا۔

"تم یوں نہیں مانو گے..."

"آپ کا خیال غلط ہے ابا جان۔" فاروق فوراً بولا۔

"تنگ کہا... میرا خیال غلط ہے... کون سا خیال؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی کہ ہم یوں نہیں مانیں گے... ہم بالکل مانیں گے اس طرح۔"

"بس بہت ہو چکا، اب ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکلے۔"

انسپکٹر جمشید کے لہجے میں کچھ ایسی بات تھی کہ سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔

"تم نے کیا کہا تھا انسپکٹر جمشید... کہ پہلے میں اپنی آواز کی

حسرت نکال لوں... تو ٹھیک ہے... اب میں اپنی مرضی سے کسی پر بھی

حملہ کر دوں گا... یہ لو انسپکٹر جمشید... میں اپنی آواز کے ہتھیار سے جنگ

شروع کرنے چلا ہوں... تم لوگوں کو زندگی میں ایسی جنگ لڑنے کا اتفاق

نہیں ہوا ہوگا کیونکہ اس کام کا بس ایک میں ہی ماہر ہوں... میرا پہلا وار

سنبھالو مسٹر خان رحمان... یہ آیا دار۔" جیرال کے لہجے میں سفاکی

کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

اس کے ساتھ ہی خان رحمان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی... وہ

بڑی طرح اچھے تھے اور کافی اونچا اچھے تھے، انہیں یوں لگا کہ جیرال ان کے دماغ میں کھس کر بولا ہو، ساتھ ہی ان کے منہ سے "خون" کے عالم میں نکلا۔

"نن نہیں... نہیں۔"

"بس خان رحمان... بھول گئے ساری چوڑی... تم بہادر فوجی تھے... ہا ہا... بریکنڈیز خان رحمان جس نے ہر جنگ میں محاذ پر دشمن کو چھوٹی کی طرح مسل کر رکھ دیا تھا... وہ خان رحمان نام سن کر ہی دشمن کی ٹالین میدان چھوڑ اور ہمت ہار دیا کرتی تھی۔ دشمن کی صفوں میں ملک الموت کی طرح مشہور خان رحمان! آج ہر ایک ہی دار سے خوف زدہ ہو گیا... بچاؤ۔" جیرال نے مذاق کے انداز میں کہا۔

"نن نہیں... تم تو تم ہاتھوں بیروں سے لڑ لو نا۔" خان رحمان کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کچھ نظر نہ آرہا ہو۔

"کیا ہو گیا خان رحمان تمہیں۔" انسپٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔
 "م... مجھے... یہ... یہ میرے دماغ میں... میری کھوپڑی میں... کھس کر چیخا تھا... اب کوئی یہ بات کیسے برداشت کرے گا؟" خان رحمان کے لہجے میں زبردست بوکھلاہٹ تھی۔

"یہ تمہارا وہم ہے خان رحمان۔"

"اور میں اس کا وہم پکا کیے دیتا ہوں... تمہارا یہ بہادر فوجی تو ابھی بیکار ہوا جاتا ہے... خان رحمان! لو میرا دوسرا دار سنبھالو۔" جیرال کی غراہٹ بہت سرد تھی... خان رحمان کے بدن میں تھر تھری دوڑ گئی، پھر وہ دھڑام سے گرے، ان کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا... ان کی یہ حالت دیکھ کر ان سب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
 "میرے خیال میں لڑائی کا یہ انداز درست نہیں۔" انسپٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"اب تم بہادر نہیں رہے انسپٹر جمشید... کہاں تم میرے اصلی ہونے پر شک کر رہے تھے اور اب میں تمہارے نقل ہوئے پر غور کر رہا ہوں... اب تم جنگ میں بھی بار بار فاول فاول کا رونا روتے رہتے ہو... جبکہ ابھی تم نے بڑے غرور سے کہا تھا کہ میں اپنی آواز کی حسرت نکال لوں... اور ابھی میں نے شروع ہی کیا تھا کہ بھول گئے تم ساری چوڑی... با اصول ہونا تو میرا اپنا اصول ہے لیکن اس کے نام پر اب تم بار بار مجھ سے رعایتیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو... کمزور پڑ گئے ہو اب تم لوگ... فرض کیا کہ میں بے اصول شخص ہوتا تو تم لوگ کیا کرتے... کیا اسی طرح اصولوں اور انصاف کی دہائیاں دہیتے پھرتے...

نہیں اب یہ جنگ نہیں رکے گی ... پردیسر داؤد ... آپ بہت بڑے
سائنسدان بنے ہیں ... میں اب آپ کے دماغ میں داخل ہو کر وہ اوجہم
چاؤں گا کہ آپ ساری سائنس بھول جائیں گے ... اور یہ لیجیے ...
میری اچھل کود آپ کے دماغ میں شروع ہوتی ہے ...

ان الفاظ کے ساتھ ہی پردیسر داؤد بڑی طرح تڑپے ... ان
کے منہ سے چیخنے کے عالم میں نکلا :

”نن نہیں ... نہیں جبرال نہیں ... خدا کے لیے نہیں ...“

”لڑائی کا یہ طریقہ اب روک دیں ! جبرال انگل۔“ شوکی کی
آواز بھیک مانگتی محسوس ہوئی۔

”کون انگل ... کیسا انگل ... اگر میں تمہارا انگل ہوں تو پھر
مجھ سے جنگ کیسی اور جب ہم ایک دوسرے سے جنگ کے لیے آئے
ہیں تو نہ میں تم لوگوں کا انگل ... نہ تم میرے بھتیجے ... جنگ کے میدان
میں ہم صرف دشمن ہیں ... اور بس ... ہاں اتنا ہے کہ دشمن ہیں ذرا
قاعدے کے ... بے قاعدہ نہیں ... جنگ ہوگی اصولوں اور سمجھوتوں کے
تحت ... ویسے بھی جنگ میں جیت بہتر ہتھیاروں کے ذریعے ہوتی ہے
... یہی تاریخ کا سبق ہے ... جس کے پاس بہتر سائنسی علم اور ایجاد کئے
ہوئے ہتھیار ... جیسا اس وقت میرے پاس ہے ... بس وہی جنگ جیتتا

ہے ... جیسے کے یہ جنگ ... لہذا شوکی اب تمہاری باری ہے ... میں
تمہارے دماغ میں نکس کر اس قدر شور مچاؤں گا کہ کیا تم نے کبھی
شور سنا ہوگا ... میرا شور شروع۔“ ان الفاظ کے ساتھ ہی شوکی لگا بڑی
طرح اچھلنے ... وہ کئی کئی فٹ اچھل رہا تھا اور اچھل کر نیچے گر رہا
تھا ، یہاں تک کہ وہ تقریباً بے ہوش اور بے دم ہو کر گر پڑا ... اب اس
کا جسم بے حرکت ہو چکا تھا۔

وہ سکتے میں آگئے ... ایسی لڑائی سے واسطہ انہیں زندگی میں پہلی
بار پڑ رہا تھا ... گویا جبرال کی آواز وہ اپنے دماغ کے اندر محسوس کر
رہے تھے ... لیکن صرف وہ محسوس کرتا تھا جسے وہ مخاطب کرتا تھا۔ باقی
نہیں سنتے تھے ... اور نہ جانے وہ ایسا کس طرح کر لیتا تھا۔

”اور اب باری محمود کی ہے۔“

”نن نہیں۔“ محمود نے ہلکلا کر کہا۔

”اب نن نہیں کرتے ہو محمود ... جب اسپیکر جمشید مجھے پہنچ کر رہے
تھے ، اس وقت انہیں یہ خیال کیوں نہ آیا۔“

محمود کو گویا سانپ سونگھ گیا۔ جبرال پھر بولا :

”اب یہ نہیں ہوگا ، آج میں تم سب کا کام تمام کر ہی ڈالوں گا

... تاکہ نہ رہے بانس نہ بچے بانسری۔“

"تم لوگ گھبراؤ نہیں... آواز کا یہ حربہ صرف ایک نفسیاتی حربہ ہے... پٹانٹرم کی قسم کا ایک طریقہ اور کچھ نہیں... میں اور انسپکٹر کا مران مرزا ایسے کسی ماہر کو آج تک خاطر میں نہیں لائے... نہ آج لائیں گے... جیرال! تم پہلے ہم سے بیٹ لو... ان کو بے بس کر کے تم کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھایا۔

"انسپکٹر جمشید! تم بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو... یہ نفسیاتی حربوں کا کھیل نہیں ہے..." جیرال فاتحانہ انداز میں مسکرایا۔

"کوئی پروا نہیں... تم اپنا ہنر پہلے ہم دو پر کیوں نہیں آزماتے۔"

"اس لیے اس طرح مزہ نہیں آئے گا... میں چاہتا ہوں کہ تم ان سب کی شکست اپنی آنکھوں سے دیکھو... یہ سب بھی تم دونوں کی شکست اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ کیونکہ یہ اس حد تک بے کار نہیں ہوئے کہ کچھ دیکھ اور سن نہ سکیں... اور کم از کم دو گھنٹے تک ان کی یہ حالت رہے گی... دو گھنٹے بعد یہ سب کچھ کرنے کے قابل ہو جائیں گے... اس وقت تک تمہیں بھی صحیح معنوں میں میری طاقت کا اندازہ ہو چکا ہوگا اور تم لوگ قیدی رہا کرنے پر مجبور ہو چکے ہو گے... کیا خیال ہے... اگر رہا نہ کیے گئے تو میں تم سب کو ختم کر کے ڈائری کے ساتھ یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مطلب یہ کہ قیدی نہ چھوڑے جانے کی صورت میں یہ سزا

تمہیں دوں گا... اور اگر قیدی چھوڑ دیے گئے تو میں تم لوگوں کو زندہ چھوڑ جاؤں گا۔"

"انگل جیرال! زندگی اور موت آپ کے ہاتھ میں نہیں، اللہ کے ہاتھ میں ہے۔"

"اگر اللہ نے تم لوگوں کی موت میرے ہاتھ لکھ دی ہو۔"

"ہاں! اس صورت میں ہم ضرور مارے جائیں گے، لیکن اس بات کا پہلے سے کسی کو علم نہیں۔"

"بہت جلد علم ہونے والا ہے... اب تم دونوں... بلکہ باقی سب دیکھیں... کیا ہوتا ہے۔" یہ کہہ کر جیرال نے منہ سے آواز نکالی۔

"فرحت تم گئیں کام سے... لو اپنے دماغ میں خوفناک آوازیں سنو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ گلی چلانے... یوں لگا جیسے اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہو... اور پھر وہ بھی ساکت ہو گئی۔

"یہ بے چاری بھی گئی کام سے... محمود تم تیار ہو۔"

"جج ہاں! اللہ کی مہربانی سے۔"

"تب پھر میں ایک گانا گاتا ہوں... یہ گانا جب تمہارے دماغ میں گونجنے کا تو تم پھلی کی طرح تڑپو گے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی آواز بلند ہو گئی اور ادھر محمود واقعی

بڑی طرح اچھل کود رہا تھا... مارے خوف کے ان سب کے رنگ زرد ہو گئے... انہیں اپنی موت صاف نظر آرہی تھی... پھر محمود بھی ساکت ہو گیا۔
 ”یہ بھی گیا کام سے... آصف تیار ہو۔“

”محمود... تم کیا محسوس کر رہے ہو۔“ آصف نے جیرال کا جملہ سنا ہی نہیں۔“

”خوف... بے پناہ خوف... جی چاہتا ہے... سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے بھاگ جاؤں۔“

”افسوس! تم یہاں سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے... تم جیرال کے جزیرے پر ہو۔“ جیرال غرور سے ہنسا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے آصف سے کہا:
 ”آصف! بڑے بہادر بنتے ہو... دوسروں کے کان کاٹتے ہو... آج میرے کان کاٹ کر دکھاؤ تو مانوں۔“

اسی وقت آصف کے منہ سے بولناک چیخ نکلی... وہ لرزنے لگا... اس کی آنکھیں باہر کو نکل آئیں... وہ سب بے بسی کے عالم میں اس کی یہ حالت دیکھ رہے تھے... آخر وہ دھم سے گرا... اس کی آنکھیں اب بھی کھلی تھیں۔ ان میں اس قدر خوف تھا کہ کیا کبھی نظر آیا ہوگا۔

”تم لوگوں نے دیکھا... جیرال کا دار۔“

”ہاں دیکھا... یہ چیز پہلی بار سامنے آئی ہے... آئندہ جب تمہارا اور ہمارا آسنا سامنا ہوگا... تو ہم بھی تم کو راستہ بتائیں گے انشاء اللہ!“ اسپیکر کامران مرزا نے بلند آواز میں کہا۔

ایسے میں کوئی چیز اسپیکر کامران مرزا کے سر سے ٹکرائی... انہوں نے چونک کر دیکھا اور پھر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

☆☆☆☆☆

آخری شکست

انہوں نے دیکھا، وہ کوئی گول سی چیز تھی۔ اس پر کاغذ لپٹا ہوا تھا... وہ غیر محسوس طور پر اس چیز کی طرف سرکنے لگے... ادھر جیروال فرحت سے کہہ رہا تھا:

"لو فرزانہ تم بھی ذرا اپنے ساتھیوں کی طرح تھوڑی سے اچھل کود دکھاؤ۔"

اور فرزانہ بڑی طرح اچھلتے لگی... یہاں تک کہ بے دم ہو کر گر پڑی:

"اب رہ گئے فاروق صاحب۔"

"نہیں انگل جیروال۔" فاروق مسکرایا۔

"نہیں انگل کیا... بھیک مانگ رہے ہو رحم کی۔"

"نہیں تو! میں نے ایسی کوئی بات کب کہی... میں تو یہ کہنے چلا

تھا کہ اب صرف میں نہیں رہ گیا... ابھی میرے اور ساتھی بھی ہیں۔"

"خیر خیر جو نہیں سہی... لو تم بھی اپنے ساتھیوں والا مزد چکھو۔"

یہ کہہ کر اس نے منہ سے آواز نکالی... فاروق کو وہ آواز ایسی لگی جیسے کوئی ذبح ہوتا ہوا بکرا منہ سے نکالتا ہے... فاروق بالکل بکرے کی طرح ترپنے لگا... وہ چپت لینا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا... آخر وہ بھی ساکت ہو گیا:

"ایک اور گیا... اس کے ساتھ ہی آفتاب کو لٹا دینا چاہیے... دونوں بہت شوخ ہیں نا... آج ان کی ساری شوخی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

"نہیں انگل! آفتاب بولا۔"

"کیا نہیں انگل۔"

"شوخی بدستور باقی رہے گی۔"

"دیکھتے ہیں بھی۔" جیروال ہنسا۔

پھر ان سب نے آفتاب کا بھی فاروق والا حال دیکھا... آفتاب کے بعد اخلاق اور اشفاق اور رفعت کی باری آئی... ان سب کو لمبا لٹانے کے بعد جیروال نے فخر کے عالم میں کہا:

"آپ کے سب ساتھی زمین دیکھ چکے... اور اب صرف آپ دو رہ گئے... اس دنیا کے مشہور و معروف سراغرساں انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید... ایک دنیا جن کا لوہا مانتی ہے... جو اپنے ملک کے سب

سے بڑے ہیرو ہیں... آج وہ اپنے ایک پرانے حریف کے سامنے بالکل بے بس ہیں... بالکل بے بس... کچھ بھی تو نہیں کر سکتے میرے مقابلے میں... ہاہاہاہاہا... " وہ لگا پاگلوں کی طرح قہقہے لگائے۔

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا پرسکون انداز میں اس کے قہقہوں بھری آواز سنتے رہے... وہ اور کراہی کیا سکتے تھے۔ ان کے سامنے ان کے سب ساتھی بے حس و حرکت پڑے تھے... وہ زندہ ضرور تھے... سن سکتے تھے، دیکھ سکتے تھے... لیکن ہاتھوں اور پیروں سے کچھ نہیں کر سکتے تھے... اور بقول حیرال ان کی یہ حالت ابھی دو گھنٹے اور رہنا تھی... انہوں نے سنا... حیرال کہہ رہا تھا:

" انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا... اب صرف تم دو رہ گئے... میں نے کہا تھا اس جنگ میں تم جیت نہیں سکتے... اور وہی ہوا... اب پہلے کامران مرزا... انسپکٹر جمشید سے تو میں تلکی کا تاج نچواتا پسند کروں گا... کیوں کامران مرزا... کوئی اعتراض تو نہیں۔"

" اگر میں اعتراض کروں تو کیا تم میری بات مان لو گے۔"

انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

" نہیں۔"

" بس تو پھر اعتراض کر کے کیا کروں گا۔"

" کرو نہ کرو... بات ایک ہی ہے... انسپکٹر کامران مرزا اپنے ساتھیوں کو ڈرا بندر کی طرح اچھل کود کر دکھائیں... ہاں شاباش۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بیٹھ گئے... وہ بڑی جدوجہد کر کے اپنے حلق سے اٹھنے والی چیخوں کا گھا دہائے ہوئے تھے... ان کی قوت برداشت لاجواب تھی...

حیرال بھرپور کوشش کے باوجود ایک جیج بھی ان کے حلق سے نہ نکلوا سکا... لیکن آخر کار ان کی ہمت جواب دے گئی... وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ریت پر لڑچک گئے اور ساکت ہو گئے... ان کی حالت بھی اب اپنے ساتھیوں جیسی تھی:

" تم نے دیکھ لیا انسپکٹر جمشید، میں نے کیا کہا تھا... جو کہا تھا... وہی اس وقت نظر آرہا ہے یا نہیں... ہاں میں مانتا ہوں کہ کامران مرزا کو بندر کی طرح اچھل کود کرنے پر مجبور نہ کر سکا... لیکن پھر بھی وہ میرے آگے ٹھہر نہ سکے... اور اس طرح اب تمہارے سب ساتھی لیٹے ہوئے ہیں... اب میدان میں صرف تم رہ گئے۔"

" اللہ مالک ہے۔"

" تم ٹاپے کے لیے تیار ہو جاؤ... اس کے بعد تو تم سب کو

سندر میں پھینکنے کا کام رہ جائے گا۔“

”جو کرنا ہے، کر گزرو... تم کو کوئی حسرت نہ رہ جائے۔“

”تو پھر انسپکٹر جمشید تیار ہو جاؤ... میں تمہارے دماغ میں ایسی دھما چوڑی پھاؤں گا کہ تم بھی کیا یاد کر دے... شروع ہو جائیں۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی جیرال ہولناک آواز میں چیخا:

”انسپکٹر جمشید... ان سب کو اپنا ناچ دکھاؤ۔“

انسپکٹر جمشید کا جسم حرکت میں آیا... اور پھر وہ ریڈ انڈینوں کے انداز میں ناپچے، اچھلنے اور کودنے لگے... ان کی یہ اچھل کود پورے دو منٹ تک جاری رہی... پھر وہ بے دم ہو کر گر پڑے... ساتھ ہی انہوں نے جیرال کا قہقہہ سنا... وہ بے تحاشہ ہنس رہا تھا... بالکل پانگلوں کی طرح... اور ساتھ میں کہہ رہا تھا:

”آج میں نے تم سے اپنی تمام شکستوں کا بدلہ لے لیا... بھانڈ

میں مگنی ڈائری اور ان ملکوں کے قیدی... یہ قیدی نہیں چھوڑتے نہ چھوڑیں... اب میں تم سب کو ختم کر کے ڈائری لے جا رہا ہوں... وہ انہیں دے کر باقی رقم لے لوں گا... میں آ رہا ہوں دوستو... افسوس... میں تم لوگوں کو جان سے نہیں مارنا چاہتا تھا... لیکن اب مجبور ہوں... اس موت کو تم نے خود آواز دی ہے... سودا کر لیتے تو یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا۔“

اور پھر انہوں نے درختوں کے گھنے جھنڈ میں سے جیرال کو نکل کر اپنی طرف آتے دیکھا... وہ ایک ایک قدم اٹھاتا ان کی طرف آ رہا تھا... اور وہ سب اس کے آگے بے بس پڑے تھے... انہوں نے دیکھا... جیرال کے ہاتھ میں ایک نائن ایم ایم پستول تھا اور دوسرے ہاتھ سے وہ اس کا میگزین نکال کر اطمینان کر رہا تھا کہ اس میں کم از کم اتنی گولیاں ہوں کہ ان سب کو کافی ہو جائیں... گویا ان کو قتل کرنے کیلئے بالکل تیار ہو کر آ رہا تھا۔

آخر ایک ایک قدم کر کے وہ ان کے بالکل نزدیک آ گیا۔ اس نے انسپکٹر جمشید کا رخ کیا۔ طنزیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا... پھر بولا:

”آخری شکست مبارک ہو... اب آپ اپنے ساتھیوں کی طرف آخری بار دیکھ لیں۔“

یہ کہہ کر وہ خان رحمان کی طرف مڑا... خان رحمان کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا... ان سب میں ابھی بولنے کی سکت بھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ جیرال نے پستول سیدھا کیا... ایک قدم خان رحمان کی طرف اٹھایا... پھر دوسرا... ابھی تیسرا اٹھایا ہی تھا کہ اچانک... وہ اوندھے منہ گرا... اس کا سر ایک درخت سے ٹکرایا... پستول اس کے ہاتھ سے نکل

گیا... وہ بلا کی تیزی سے پلٹا اور ساکت رہ گیا... اس کی آنکھوں نے
ایک ایسا منظر دیکھا... جس کے دیکھنے کی امید شاید اسے ایک فیصد بھی
نہیں تھی:

☆☆☆☆☆

باگ دوڑ

اسے اسپیکر جمشید اپنے سامنے کھڑے نظر آئے۔ اس کا پتول اب
ان کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ جو درخت سے نکلایا تھا تو ان کے سر کی ٹکر
تھنے سے نکلایا تھا:

چند لمبے تک حیران حیرت زدہ انداز میں ان کی طرف دیکھتا رہا،
آخر اس کے ہونٹ بٹے:

”میری زندگی میں بہت حیران کن لمحات آئے، لیکن میں اس
قدر حیران کبھی نہیں ہوا ہوں گا... جتنا کہ آج... آخر یہ کیسے ہو گیا...
اسپیکر جمشید! کیا میری آواز تمہارے دماغ پر اثر نہیں کر سکی تھی؟“
یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا۔

اسپیکر جمشید مسکرائے: ”ان گنت بار ہم سے شکست کھا کر بھی تم
ہمیں تر نوالہ سمجھ بیٹھے حیران... تمہارا جسم تو شاید جینیاتی سائنس کے بل
بوتے پر واپس آ گیا لیکن ایسا لگتا ہے کہ شاید یادداشت پوری طرح

واپس نہیں آسکی ہے... اس کے علاوہ تمہارے مزاج میں بھی تبدیلی آئی ہے... اب تم بڑھکیں بہت مارتے ہو جب کہ پہلے تم ایسا نہیں کرتے تھے... اب تمہارے مزاج میں وہ پہلے والا ٹھہراؤ بھی نہیں رہا... اب تم گھڑی میں تولہ اور گھڑی میں ماشہ بن کر رہ گئے ہو... تم حیرال ہو لیکن لگتا ہے کہ انشادجہ کا نہیں بلکہ شاکا کے بنے ہوئے حیرال ہو... خیر مسٹر حیرال! تم اس بات کو چھوڑو... حیران ہونا صحت کے لیے اچھا ہے... بس تم حیران ہوتے رہو... اب تمہارے اپنے الفاظ کے مطابق تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ ڈائری ہمیں واپس دے دو... اور خود کو بھی ہمارے حوالے کر دو... اور اگر تم اب بھی لڑنے کے لیے تیار ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں، لیکن اب شاید تم آواز والی لڑائی لڑنا پسند نہیں کر دے... آواز والا فارمولا تو ہو گیا ہے کار... لہذا لڑائی ہاتھوں اور پیروں کی ہوگی... یا پھر پستولوں کی ہوگی۔“

”لڑائی تو خیر ہوگی... یہ تو پہلا راؤنڈ تھا اور میں تسلیم کرتا ہوں کہ پہلا راؤنڈ میں بازی تمہارے ہاتھ رہی... اس میں شک نہیں کہ لڑائی کے بغیر چارہ نہیں... لیکن اس سے پہلے آپ صرف یہ بتا دو کہ یہ کیسے ہو گیا۔“

”کیا تم نے ہمیں بتایا تھا کہ تم کیسے زندہ ہو کر واپس آ گئے“

ویسے بھی ہم دشمن کو اپنا راز کبھی نہیں بتاتے... لہذا یہ تو میں نہیں بتاؤں گا کہ ہم نے اس دار کو بیکار کس طرح کیا ہے، اس کے بجائے کچھ اور پوچھ لو۔“

”اور کیا پوچھ لوں۔“ وہ پھینکی ہنسی ہنسا۔

”جو ہم بتا سکیں... وہ۔“ انسپکٹر جمشید نے فاروق کے انداز میں کہا... ساتھ ہی انہوں نے فاروق اور باقی سب پر ایک نظر ڈالی بھی... اب ان کے چہروں پر اطمینان ہی اطمینان نظر آرہا تھا... انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ حیرال کا دار انسپکٹر جمشید پر کارگر نہیں ہوا... اور یہ اس وقت کی انوکھی ترین بات تھی۔

”خیر کوئی پروا نہیں... میں اپنے فارمولے میں اس کمزوری کا سراغ لگا لوں گا... یہ بات معلوم کر لوں گا کہ آخر تم پر میری آواز کا اثر کیوں نہیں ہوا۔“

”ضرور جان لو... لیکن اس صورت حال پر پہلے غور کر لو... پستول اب میرے ہاتھ میں ہے... اور تمہارا سر ڈھکی ہے۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا... میدان جنگ کی باگ دہڑ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔“ حیرال عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“ وہ چونکے... کیونکہ حیرال بلاوجہ کوئی بات کہنے کا عادی نہیں تھا۔

”وہ کیسے؟“ انپکڑ جشید بولے۔

”تمہارے تمام ساتھی ابھی لڑنے کے قابل نہیں، جب کہ میں تم سے لڑنے کے قابل ہوں اور اگر میں تم کو خود بد لڑائی میں شکست دے دیتا ہوں... تو بھی میدان میرے ہاتھ رہے گا۔“

انپکڑ جشید سنانے میں آگئے... اتنی بڑی فتح کے بعد بھی وہ خطرے میں تھے... اس کی بات پر غور کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

”یہ بات ضرور ہے... لیکن وہ بد لڑائی میں میں تم سے کسی طرح کم نہیں...“

”یہی بات ہے... لیکن اس وقت کیا کہا جاسکتا ہے... فتح کس کی ہوگی... لہذا تم اس پستول کو آزما لو... میں تیار ہوں۔“ یہ کہتے ہی وہ اچھل کر ان سے کچھ فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔

اب اس پر فائز کرنے کے لیے اپنی جگہ سے آگے بڑھنا ضروری تھا... انپکڑ جشید نے ہلے بھر کے لیے غور کیا۔ اور پھر اچھے ہی لمحے اس پر فائز جھونک مارا... پھر دوسرا... پھر تیسرا... اور۔ اسی طرح بارہ کی بارہ گولیاں۔

لیکن وہ نہایت آسانی سے انہیں طرح دے گیا... جیرال گویا ہوا میں اڑ رہا تھا... ایک بھی گولی اس کو نہ چھوئی... ادھر پستول کا میگزین

خالی ہوا... ادھر انہوں نے جیرال کو اڑ کر اپنی طرف آتے دیکھا... وہ اسپرنگ کی طرح اچھل گئے۔ جیرال اپنی جھونک میں ان کے پیچھے سے گزرتا آگے نکل گیا۔ لیکن اسی وقت جیرال گویا پھر اڑتا ہوا ان کی طرف آیا۔ وہ یک دم گرے اور گرتے ہی لڑھک گئے۔ جیرال آگے بڑھ گیا... لیکن فوراً رک گیا۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا:

”خوب خوب بہت خوب۔“

”خیر تو ہے، جیرال...“

”تم جس خوبصورتی سے میرا یہ وار بچانے میں کامیاب ہوئے ہو اس مہارت کو میں ہی سمجھ سکتا ہوں... عام آدمی اس بات کو محسوس نہیں کر سکتا اس لیے میں تعریف کرنے پر مجبور ہوں۔“

”اس میں شک نہیں... تم اچھے دشمن تھے... تم سے مقابلہ کرتے ہوئے مزہ آ جاتا تھا... اپنی صلاحیتوں کی آزمائش ہو جایا کرتی تھی اور ہم جان لیتے تھے کہ ہم میں کیا کمی ہے اور پھر ہم اس کمی کو دور کر کے مزید مہارت حاصل کر لیتے تھے۔“

”ارے باپ دے، انپکڑ جشید تم میری تعریف کر رہے ہو...“

جیرال ہلکا اٹھا۔

”مجبوری ہے... یہی سچ ہے۔“

”دیے چکی بات تو یہ بھی ہے انپکڑ جمید کہ تم لوگوں جیسی ملاصیتیں میں نے کسی میں نہیں دیکھیں... میری خواہش ہے کہ کبھی ہم ایک ٹیم کے طور پر کسی مشترکہ دشمن کے خلاف کسی مہم پر جائیں۔“

”لیکن ابھی کچھ دیر پہلے تو تم ہم سب کی جان لینے پر تھے کھڑے تھے... اور اب یہ خواہش...“

”وہ اور بات ہے... تم لوگوں کے زندہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنے آئندہ کے منصوبوں پر عمل کرنے میں بھی مشکلات پیش آتی رہیں... اس لئے پیشہ ورانہ ذہن سے سوچوں تو تمہارا مرنا میرے حق میں جاتا ہے... اور ذاتی حیثیت میں، میں تم لوگوں کی ملاصیتوں کا اعتراف کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم جیسے ذہین ترین لوگوں کے ساتھ مل کر کام کروں... کیونکہ تم جس مشن میں میرے ساتھ رہو گے... اس کی ناکامی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔“

”خیر ایسا ہونا ناممکن نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ جیرال نے چونک کر کہا۔

”ہو سکتا ہے کبھی ایسی ضرورت پیش آجائے... اس صورت میں ہم ایک ٹیم ہو جائیں گے اور کوئی مہم اگلے سر کر سکیں گے... مطلب یہ کہ ہم اپنے ملک کے مفاد کیلئے کسی کے ساتھ مل کر بھی کام کر سکتے ہیں۔“

”ہم اس پر بعد میں بات کر لیں گے... اس وقت اس کا نہ موقع ہے نہ محل۔“

”بات تم نے ہی شروع کی تھی... چلو پھر... جو تم کو پسند ہے، وہ کر لیتے ہیں۔“

”اس وقت تو جنگ میری بھی مجبوری ہے اور تمہاری بھی... اس لیے یہی کرنا ہوگا۔“

”بس تو پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ۔“ انپکڑ جمید مسکرائے۔

”اس بات کا خیال رہے... کہ اپنے ساتھیوں میں بس آپ ہی باقی رہ گئے ہیں...“

”میں اسی وقت انپکڑ جمید کی نظر سمندر کی طرف اٹھی... اور دو بری طرح چونکے... ان کا چونکنا جیرال کی نظروں سے اوجھل نہ رہ سکا... اس نے بھی گھوم کر ساحل کی طرف دیکھا... اور پھر ایک عجیب منظر ان کے سامنے تھا۔“

وہیل شارک

سمندر میں سے کوئی عجیب الخلق مخلوق تیر کر جزیرے کی طرف آ رہی تھی... یہ جم میں بہت بڑی تو نہ تھی لیکن اس کی رفتار بھی انتہائی تیز تھی... ان کی نظریں اس پر جم گئیں:

"کک کیا یہ وہیل ہے۔" انپکنز جمشید نے حیرت کا اظہار کیا۔
"نہیں بلکہ اس کی کزن وہیل شارک... یہ شارک کی ایک بڑی لیکن بے ضرر قسموں میں سے ایک ہے... اپنے بڑے جم کی وجہ سے ہی اسے وہیل شارک کہا جاتا ہے! لیکن اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ فشنگی پر نہیں آئے گی۔" حیرال طرز یہ انداز میں ہنسا۔

"چھ مہینے پہلے بھی ہمارے شہر کے ساحل پر سات نون وزنی اور پچیس فٹ لمبی ایک وہیل شارک چھبیروں کے جال میں پھنس کر مر گئی تھی۔"
"یہ تو مجھے معلوم نہیں... اسی طرح یہ بھی آگئی ہوگی کہیں سے۔"
"بس تو پھر... بس تو پھر... بس تو پھر۔" انپکنز جمشید نے کہا اور

پھر دہراتے چلے گئے... ان کی آواز میں حیرت ہی حیرت اٹھ آئی تھی۔
"کیا ہو گیا انپکنز جمشید... کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے۔"
"نہیں... اللہ کی مہربانی سے میں پاگل نہیں ہوا۔"
"تب پھر یہ کیوں دہرایا جا رہا ہے، بس تو پھر... بس تو پھر۔"
"وہیل شارک کو دیکھ کر ایک خیال آ گیا تھا... میں ذرا ایک نظر قریب سے اس سمندری جانور کو دیکھ آؤں۔"

"کیا کوئی چکر چلانے کی فکر میں ہو۔" حیرال ہنسا۔
"اگر تمہیں ڈر ہے تو نہیں جاتا۔" انپکنز جمشید نے کچھ سوچ کر کہا۔
"کیا نہ... میں اور تم لوگوں سے ڈروں گا... یہ ان سب کو دیکھ نہیں رہے تم... میں نے تو انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا... اور یہ بے بس پڑے ہیں... بس تم نہ جانے کیسے میری آواز کے وار سے بھاگ گئے... خیر... میں یہ بھی معلوم کر لوں گا اور آئندہ کسی موقع پر... یعنی اس جنگ میں اگر تم لوگ زندہ بھاگ گئے تو تمہارا یہ وار بھی خالی کر دوں گا... جاؤ اس شارک کو یا وہیل کو... جو کچھ بھی ہے، اچھی طرح دیکھ لو... اور کوئی چال چلنا چاہتے ہو تو وہ بھی چل ہی ڈالو۔" حیرال نے جلدی جلدی سے کہا۔

انپکنز جمشید اس کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرائے... اور

پھر انہوں نے جزیرے کے ساحل کی طرف دوڑ لگا دی ... ظاہر ہے وہاں کوئی لالچ تو تھی نہیں کہ جیرال کو ان کے فرار ہونے کا ذرہ ہوتا۔ یوں بھی وہ اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ میں چھوڑ کر فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ ساحل پر پہنچتے ہی انہوں نے وہیل شارک کو دیکھ لیا تھا:

"مسٹر جیرال ... میں ذرا اسے نزدیک سے دیکھنے کے لیے پانی میں اتر رہا ہوں۔" انہوں نے زور سے چلا کر کہا کہ ان کی آواز جیرال اور ان کے ساتھیوں تک پہنچ جائے ... سمندر کے بیچوں بیچ ایک جزیرے کے ساحل پر ہوا اس قدر تیز ہوتی ہے کہ کان پر ہی آواز سنائی نہیں دیتی۔ اپنی آواز پاس کھڑے آدمی تک پہنچانے کیلئے بھی حلق چھاننا پڑتا ہے۔

"خبردار انسپیکٹر جمشید یہ بہت خطرناک ہوگا، تم اس کی تیز رفتاری کا مقابلہ نہیں کر سکو گے، واپس آ جاؤ انسپیکٹر جمشید، تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے، میں اپنا یہ حق ایک حقیر سمندری جانور کو نہیں دے سکتا۔" جیرال کی آواز انسپیکٹر جمشید کے کانوں نے ٹکرائی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا ... اپنا جواب اچھالتے ہوئے انہوں نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔

"ارے ارے ... خبردار ... رک جاؤ۔" جیرال چلایا۔

مگر اس وقت تک تو وہ چھلانگ لگا چکے تھے۔ جیرال کنارے کی

طرف دوڑ پڑا۔ کنارے پر آکر وہ چلایا:

"انسپیکٹر جمشید تم کہاں ہو۔ تم اس طرح بھاگ کر خود کو مقابلے سے نہیں بچا سکتے اور پھر تمہارے سب ساتھی تو جزیرے پر موجود ہیں ... یہاں سے بھاگ کر آخر تم کہاں جاؤ گے ... کیا ساحل تک جاؤ گے۔" یہ الفاظ اس نے بہت بلند آواز میں اور چیخنے کے انداز میں کہے تھے ... لیکن اس کی آواز لہروں کے طوفانی شور میں گم ہو کر رہ گئی ... انسپیکٹر جمشید کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"یہ اچھی بات نہیں انسپیکٹر جمشید، تم نے وہیل شارک کو دیکھنے کے بہانے فرار اختیار کیا ہے۔ اب میں تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو نہیں چھوڑوں گا۔"

ایسے میں اسے انسپیکٹر جمشید کچھ دور پانی میں ابھرتے ڈوبتے نظر آئے ... وہ چیخ اٹھا: "میں انسپیکٹر جمشید کو پکڑنے سمندر میں جا رہا ہوں ... میں اسے اس طرح فرار نہیں ہونے دوں گا۔" جیرال نے یہ الفاظ انسپیکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھتے ہوئے ادا کئے ... اور پھر دوڑتے ہوئے ساحل پر پہنچ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی:

پچھلی کا لقمہ

جبرال کو پانی میں چلا جگ لگائے بہت دیر ہو گئی... آخر وہ سمجھنے بعد وہ کنارے کی طرف آیا... کنارے پر کھڑے ہو کر اس نے دور دور تک پانی کو دیکھا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا:

"میں انپکڑ جھیل کو نہیں پہچان سکا... میری آنکھوں کے سامنے اس ویل شارک نے اسے نگل لیا تھا۔"

یہ کہہ کر وہ مڑا اور ایک ایک قدم اٹھاتے ہوئے باقی لوگوں کی طرف آنے لگا... یوں لگا رہا تھا، جیسے وہ بہت تھک گیا ہو... اس کے چلنے کا انداز بھی ڈھیلا ڈھالا تھا... نزدیک پہنچ کر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا:

اس کی یہ بے وقوفی سمجھ میں نہیں آئی... آخر اسے ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی، پچھلی کو دیکھنے کے لیے اس کے نزدیک جانے کی کیا ضرورت تھی، اتنا عقلمند شخص اور اتنی بڑی حماقت... حیرت ہے، تعجب ہے... اب سوال یہ ہے کہ میں تم لوگوں کا کیا کروں... تم میں سے کون

اب مجھ سے معاملے کی بات کرے گا۔"

"مم... مم... میں۔" بہت ہی مشکل سے انپکڑ کامران مرزا کے حلق سے آواز نکلی۔

"اوہ میں تو بھول ہی گیا... دو گھنٹے گزر چکے ہیں اور تم لوگ اب ہوش میں آتے جا رہے ہو۔ اپنے حواس میں آ رہے ہو... تو انپکڑ کامران مرزا تم سارا معاملہ طے کر دو گے۔"

"ہاں... ہاں... آ..." وہ بہت مشکل سے بولے۔

"یہ جان کر خوشی ہوئی... خیر انپکڑ کامران مرزا اب تم کیا کہتے ہو۔ تم لڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہو... میں پھر تم کو اپنی آواز سے ٹھکست دے سکتا ہوں... پھر تم لوگ دو گھنٹے تک میری آواز کی مار سے لمبے لیٹ جاؤ گے... لہذا ہماری شرائط پر سمجھوتہ کر لو۔"

"اچھی بہ... بات ہے۔"

"انپکڑ کامران مرزا، یہ ڈائری لے لیں اور ہمارے قیدی چھڑوا دیں اور بس۔"

"مم... میں... اب میں دراصل براہ راست وزیر داخلہ سے بات کرنا چاہتا ہوں... کیونکہ یہ فیصلہ وزیر اعظم اور وزیر داخلہ صاحبان ہی کر سکتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ضرور کریں... اور ذرا جلدی کریں... میں ادھر جا کر لباس تبدیل کر کے آتا ہوں... ورنہ مجھے نمونہ ہو جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر حیرال وہاں سے جزیروں کے درمیانی حصے کی طرف چلا گیا... ادھر انسپکٹر کامران مرزا آئی جی صاحب سے بات کرنے گئے... وہ دہلی آواز میں بات کر رہے تھے۔ اس طرح کئی منٹ گزر گئے... آخر حیرال واپس آتا نظر آیا... اب اس کے جسم پر دوسرا لباس تھا:

"ہاں! کیا رہا۔" نزدیک آتے ہی اس نے پوچھا۔

"آئی جی صاحب کا کہنا ہے کہ وزیر داخلہ مان گئے ہیں... وہ انہیں اس ملک بھجوانے کا فوری انتظام کر دیں گے... جس میں تم انہیں بھجوانا چاہتے ہو۔" انہوں نے بتایا۔

"انہیں بیکال بھیجتا ہے۔"

انہوں نے آئی جی صاحب کو نکھوا دیا۔

اس گفتگو کے بعد خاموشی چھا گئی... ان کی حیرال سے بھی اور آپس میں بھی کوئی بات چیت نہیں ہوئی... اب جب تک وزیر داخلہ کی طرف سے فون نہ مل جاتا، آگے کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی تھی۔

آخر دو گھنٹے اور اسی طرح گزر گئے، تب کہیں جا کر وزیر داخلہ کا

فون براہ راست انسپکٹر کامران مرزا کے موبائل پر موصول ہوا... وہ کہہ رہے تھے:

"انسپکٹر کامران مرزا... قیدی رہا کر دیئے گئے ہیں... طیارہ انہیں لے کر جا چکا ہے... قیدیوں سے بیکال کی انتظامیہ کو فون کر دیا گیا ہے... جوئی طیارہ بیکال کے ائیرپورٹ پر اترے گا... حیرال کو بیکال کی انتظامیہ اطلاع دے گی کہ ان کے قیدی رہا کر دیئے گئے ہیں... اور اس وقت حیرال وہ ڈائری تم لوگوں کے حوالے کرے گا... ٹھیک ہے۔" وزیر داخلہ صاحب یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"ٹھیک ہے سر..."

اور پھر دو گھنٹے گزر گئے... ایسے میں حیرال زور سے چونکا:

"حیرت ہے..."

یہ کہہ کر اس نے سب پر ایک نظر ڈالی... وہ کافی دیر پہلے اٹھ کر بیٹھ چکے تھے... اور اب بالکل ٹھیک تھے:

"آپ کو کس بات پر حیرت ہے اگلے حیرال۔" فاروق کی آواز گونجی۔

"میں حیران ہوں کہ تم لوگوں کے چہروں پر انسپکٹر جمشید سے بچھڑنے کا غم کیوں نظر نہیں آ رہا۔"

"پتا نہیں اگلے اس غم کو کیا ہو گیا ہے۔" آفتاب نے منہ بتایا۔

”نہیں... یہ نہیں ہو سکتا۔“ جیرال نے الجھن کے عالم میں کہا۔

”جی... کیا نہیں ہو سکتا؟“

”یہ کہ اسپیکر جمشید کی موت کا غم تم لوگوں کے چہروں پر نظر...“
اس کے الفاظ درمیان میں ہی رو گئے... کیونکہ اسی وقت اس کے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی تھی... اس نے چونک کر اسکرین پر دیکھا... پھر اس کے منہ سے نکلا:

”آگیا بیگال کے جاف کے چیف کا فون۔“

”تب پھر آواز اونچی کر لیں... تاکہ سب سن سکیں۔“

”ہاں ہاں! کیوں نہیں۔“

اب سب کو آواز سنائی دینے لگی... دوسری طرف سے جاف کا چیف کہہ رہا تھا:

”مسٹر جیرال! تم نے کمال کر دیا... ہمارے آدمی ادھر ایئرپورٹ پر طیارے سے اترتے نظر آرہے ہیں... چند منٹ بعد وہ ہمارے ساتھ ہوں گے... تم ان لوگوں کو وہ ڈائری دے دو۔“
”اچھی بات ہے۔“ جیرال نے کہا۔

یہ کہہ کر اس نے موبائل بند کیے بغیر اپنی کمر کے پیچھے سے ہاتھ لے جا کر ڈائری نوچی اور ان کی طرف اچھال دی اور پھر فون پر بولا:

”میں نے ڈائری ان لوگوں کو دے دی ہے۔“

”اب تم واپس آ جاؤ، پھر ہم انہیں ایک خوشخبری سنائیں گے۔“

”خوشخبری... کیا مطلب؟“ جیرال نے حیران ہو کر کہا۔

”خوشخبری کا مطلب ہے خوشخبری۔“

”تب آپ میری موجودگی میں سنائیں... یہ لوگ میرے قابو میں ہیں... میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”اچھی بات ہے... خوشی کی خبر یہ ہے کہ تم نے ایک فضول ترین ڈائری کے ذریعے اپنے اہم ترین آدمی چھڑا لیے ہیں۔“
”کیا مطلب؟“ جیرال بڑی طرح اچھلا۔

”مطلب یہ کہ اس ڈائری میں کچھ بھی نہیں ہے... یہ سب ڈرامہ ہم نے تخلیق کیا تھا۔ اس ڈائری میں، میں نے ہی ادھر ادھر کی بیکار باتیں لکھی تھیں... اور ہمارا منصوبہ کامیاب رہا ہے... ہمارے ہی ایک آدمی نے ایک صحافی کو یہ ڈائری پہنچائی تھی اور اسے یہ بتایا تھا کہ یہ ڈائری بیگال کی خفیہ ایجنسی جاف کے چیف کی ڈائری ہے جس میں وہ کوڈ ورڈز میں اپنے سارے پلان نوٹ کرتا ہے اور یہ کہ اس ڈائری میں پاک لینڈ کو توڑنے کی ایک سازش کا پلان بھی درج ہے... لہذا وہ اسے مشتاق احمد خان تک پہنچا دے... وہ تھا بے چارہ ایک

ایماندار اور محب وطن صفائی ... پھر ہم نے اس غریب کو ڈرانا شروع کیا کہ ڈائری واپس کر دو ورنہ تمہیں جان سے مار دیں گے ... اور پھر مار بھی دیا ... بہر حال مرنے سے پہلے وہ اپنے ایک اور صفائی دوست کے ذریعے ڈائری مشتاق احمد خان تک پہنچانے کا انتظام کر چکا تھا اور ہم نے یہ سب اس لئے کیا کہ ڈائری کی اہمیت ظاہر ہو جائے ... کیونکہ ہم جانتے تھے کہ مشتاق احمد کان کے ذریعے یہ معاملہ شوکی برادرز اور پھر انسپٹر جمشید اور انسپٹر کامران مرزا تک جا پہنچے گا ... پھر ہم نے تمہیں بھیجا کہ وہ ڈائری اس سے حاصل کر لو ... اس کے بعد جو کچھ ہوا، ہمارے منصوبے کے مطابق ہوا ہے ... لہذا ایک فرضی ڈائری کے ذریعے ہم نے نہایت اہم آدمی حاصل کر لیے ہیں ... اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہو سکتی ہے ... اور مسٹر جیرال ... تمہیں اگر ہم بے خبر نہ رکھتے تو تم ہرگز ہمارا یہ کام نہ کرتے، اس لیے ہم نے تمہیں مکمل طور پر بے خبر رکھا ...

”مم مطلب یہ کہ اس ڈائری میں کچھ نہیں ہے۔“

”ہاں! یہی بات ہے۔“

”یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، میں اس قسم کے منصوبوں پر کام نہیں

کرتا ... افسوس صد افسوس۔“ اس کی آواز غصے کے بوجھ میں دب گئی۔

”چلو چھوڑو اب اس بات کو ... تم کو تمہارا پورا معاوضہ ادا کیا جائے گا ... اور تم یہاں سے واپس روانہ ہو جاؤ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر دیا گیا:

”یہ ... اچھا نہیں ہوا ... اور اس کا بدلہ میں بیگال کے ان لوگوں سے ضرور لوں گا ... جنہوں نے یہ کام میرے ذمے لگایا تھا۔“

”لل ... لیکن انگل ... اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا۔“ فرزانہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”مسٹر جیرال ... ان لوگوں کے بدلے میں ہم تم کو یہاں رکھیں گے۔“ انسپٹر کامران مرزا کی بلند آواز نے ان سب کو چونکا دیا۔

”کیا کہا ... انسپٹر کامران مرزا ... تم مجھے قید کرو گے ... تم بھول گئے ہو ... میں نے تو تم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور سب کو لہانا دیا تھا۔“

”ہم بھولے نہیں ... بلکہ اب تو ہمیں اور زیادہ باتیں یاد آگئی

ہیں ... اور ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ تمہارا یہ آواز والا حربہ اب نہیں چلے گا۔“

”یہ ... یہ کیسے ممکن ہے بھلا۔“

”تم تجربہ کر لو۔“

گئے۔“ فاروق نے کہا اور دوسرے مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔۔۔ کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ وہ ڈائری کسی کام کی نہیں تھی۔

جیرال نے ابھن کے عالم میں بہت غور سے اس کی طرف دیکھا، جیسے اس کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی شکنیں اور گہری ہو گئیں، پھر اس نے معنی خیز انداز میں کہا:

”کیا کہنا چاہتے ہو دوست۔“

”بس۔ اتنا ہی کہ اس ڈائری کی کوئی اہمیت نہیں... اور یہ بالکل فرضی ڈائری ہے اور اس میں جو تحریر لکھی ہے... وہ بھی بے کار ہے... یہ ساری بات سن کر ہمیں ایک زبردست جھٹکا لگا تھا... ہم آپ کو اس جھٹکے کا جواب دینا چاہتے ہیں۔“ محمود کہتا چلا گیا۔

”کک... کیا کہا... جھٹکے کا جواب... یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

”ہو سکتا ہوگا...“ محمود نے منہ بتایا۔

”جھٹکے کا جواب۔“ جیرال نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں! وہ دیکھئے... وہ آرہا ہے... جھٹکے کا جواب...“ محمود نے انگلی سے ایک سمت میں اشارہ کیا... اس کی انگلی ایک درخت کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”اس سوال کا جواب اگرچہ بہت آسان ہے... اور ہم آپ کو بتا بھی سکتے ہیں، لیکن۔“ فاروق شوخ انداز میں کہتے کہتے رک گیا۔

”لیکن کیا؟“ جیرال کی آواز ابھری۔

”لیکن اس سوال کا جواب ہمارے ابا جان دیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”کیا مطلب؟ کون دے گا۔“

”ابا جان اور کون؟“

”وہ کیسے جواب دیں گے بھلا... وہ تو پہلے ہی شارک کا شکار بن چکے ہیں۔“

”شارک کا شکار... اوہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”بس بھی کرو یا...“ آفتاب نے جلے کئے انداز میں کہا۔

”اگر وہ شارک کے پیٹ میں جا سکتے ہیں تو شارک کے پیٹ سے واپس بھی تو آسکتے ہیں۔“ فرزانہ بولی

”نا ممکن... وہیل شارک انسان کی ہڈیوں تک کا سرمہ کر کے رکھ دیتی ہے۔“

”اللہ کی شان دیکھتے رہیے... ہمارے والد آپ کو آتے نظر آئیں گے... اگر آتے نظر نہ آئے تو یہ ڈائری آپ کو واپس کر دیں

”اس سوال کا جواب اگرچہ بہت آسان ہے ... اور ہم آپ کو بتا بھی سکتے ہیں، لیکن۔“ فاروق شوح انداز میں کہتے کہتے رک گیا۔
 ”لیکن کیا؟“ حیرال کی آواز ابھری۔

”لیکن اس سوال کا جواب ہمارے ابا جان دیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔“ فرزانہ بول اٹھی۔

”کیا مطلب؟ کون دے گا۔“

”ابا جان اور کون؟“

”وہ کیسے جواب دیں گے بھلا... وہ تو پہلے ہی شارک کا شکار بن چکے ہیں۔“

”شارک کا شکار... اوہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔“

”بس بھی کرو یار...“ آفتاب نے جلتے کٹے انداز میں کہا۔

”اگر وہ شارک کے پیٹ میں جا سکتے ہیں تو شارک کے پیٹ

سے واپس بھی تو آ سکتے ہیں۔“ فرزانہ بولی

”ہا ممکن... وہیل شارک انسان کی ہڈیوں تک کا سرمہ کر کے

رکھ دیتی ہے۔“

”اللہ کی شان دیکھتے رہیے... ہمارے والد آپ کو آتے نظر

آئیں گے... اگر آتے نظر نہ آئے تو یہ ڈائری آپ کو واپس کر دیں

گے۔“ فاروق نے کہا اور دوسرے مسکرائے بغیر نہ رہ سکے... کیونکہ سب ہی جانتے تھے کہ وہ ڈائری کسی کام کی نہیں تھی۔

حیرال نے ابھن کے عالم میں بہت غور سے اس کی طرف دیکھا، جیسے اس کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، اس کی پیشانی پر نمودار ہونے والی ٹکٹیں اور گہری بوٹھیں، پھر اس نے معنی خیز انداز میں کہا:

”کیا کہنا چاہتے ہو دوست۔“

”بس اتنا ہی کہ اس ڈائری کی کوئی اہمیت نہیں... اور یہ بالکل

فرضی ڈائری ہے اور اس میں جو تحریر لکھی ہے... وہ بھی بے کار ہے...

یہ ساری بات سن کر ہمیں ایک زبردست جھٹکا لگا تھا... ہم آپ کو اس

جھٹکے کا جواب دینا چاہتے ہیں۔“ محمود کہتا چلا گیا۔

”گگ... کیا کہا... جھٹکے کا جواب... یہ... یہ تو کسی ناول کا

نام ہو سکتا ہے۔“ فاروق کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

”ہو سکتا ہوگا...“ محمود نے منہ بنایا۔

”جھٹکے کا جواب۔“ حیرال نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

”ہاں! وہ دیکھئے... وہ آ رہا ہے... جھٹکے کا جواب...“

محمود نے انگلی سے ایک سمت میں اشارہ کیا... اس کی انگلی ایک درخت

کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”یہ... یہ ابھی تو درخت کی طرف ابھی ہے...“
 ”اگلے جہال، بس آپ درخت کو دیکھتے رہیں۔“
 اور اچانک جہال کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں:

☆☆☆☆☆

جنگ ہی جنگ

اور پھر اس درخت کے پیچھے سے الپنٹر جھید نکل کر سامنے آئے
 تھے اور اب ایک ایک قدم اٹھاتے ان کی طرف بڑھ رہے تھے:
 ”یہ... یہ کیسے ممکن ہے۔“

”مسٹر جہال... میں اللہ شاک کا شکار بنا ہی نہیں... کیونکہ
 وہاں کوئی شاک دراصل کبھی تھی ہی نہیں... اب تم یہ سوچ رہے ہو گے
 کہ پھر وہ کیا تھا جو تم نے دیکھا... کیونکہ تم نے تو مجھے پھلی کے منہ میں
 داخل ہوتے دیکھا تھا... اس کا جواب تمہیں کچھ دیر بعد ہی مل جائے گا
 ... لیکن ایک بات تو یقینی ہے... اور وہ ہے تمہارے منصوبے کی مکمل
 شکست اور ٹوٹل جاہی... بس یوں سمجھ لو کہ میں پانی میں پیچھے ہی پیچھے
 تیرتے ہوئے جزیرے کے دوسری طرف نکل آیا اور ساحل پر
 آگیا... اس دوران میں نے اور میری ٹیم نے مزید کیا معرکے سر کئے
 ... اس کا جواب بھی تمہیں کچھ دیر بعد مل جائے گا... فی الحال بس اتنا

سن لو کہ میں یہ جان چکا ہوں کہ تم مجھ سے کیا چھپانا چاہ رہے تھے ... میں اس راز سے بھی پردہ اٹھاؤں گا کہ تم زمینی راستوں سے فرار ہونے کے مواقع دستیاب ہونے کے باوجود کیوں ہمارے ساتھ ایک بے معنی سودے بازی میں الجھے رہے ... رہا یہ سوال کہ میرے ساتھیوں پر تمہارے آواز کے حربے کا اثر دوبارہ کیوں نہیں ہوا تو لو سنو ... میں نے تمہارے حربے کے تونر کے طور پر دی جادو کیا جو انسپکٹر کامران مرزا کے ذریعے پہلے خود پر کروا چکا تھا۔"

"کیا مطلب ... کیا کر چکے تھے تم۔" جیرال نے حیران ہو کر کہا۔

"تم کو یاد نہیں ... تم نے جب اپنی آواز کے حربے کے ذریعے میرے سب ساتھیوں کو بیکار کر دیا تھا، میں اس وقت بھی بیکار نہیں ہوا تھا، تمہاری آواز میرا کچھ نہیں ہکاڑسکی تھی اور میں نے تم کو زخمی کر دیا تھا ... پستول بھی میرے ہاتھ میں آگیا تھا۔"

"ہاں! میں اس وقت اتنا حیران ہوا تھا کہ بتا نہیں سکتا ... لیکن ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ ایسا کیسے ہو گیا تھا۔" جیرال بولا۔

"میں بتاتا ہوں ... اس وقت ہم سب درختوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے ... میں اور انسپکٹر کامران مرزا نزدیک نزدیک تھے ... اچانک میرے دماغ میں ایک ترکیب آگئی ... میں نے ایک درخت کے پتے پر لکھا:

"کامران مرزا آپ مجھے چند منٹ کیلئے چٹانائز کر دیں ... اس طرح کہ میں آپ کی یعنی کامران مرزا کی آواز کے سوا اور کسی کی آواز نہ سن سکوں۔"

وہ چٹ میں نے ایک کنکر پر پٹ کر ان کی طرف اچھال دی۔ انہوں نے چٹ کو پڑھا ... پھر میری طرف دیکھا، میں پہلے ہی ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بس انہوں نے مجھے چٹانائز کر دیا اور یہ بھی کہ بس ایسا پندرہ منٹ تک رہے گا ... پھر میں سب کی آوازیں سن سکوں گا ... اس طرح میں نے تو تمہاری آواز سنی ہی نہیں ... اثر کیا لیتا۔"

"اوہ ... اوہ ..."

"اور اب ان سب کو میں نے تمہاری آواز سے اثر سے آزاد کر دیا ہے، اب تم زور لگا دو اپنی آواز کے ذریعے جتنا چاہے ..."

"انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رک گئے۔ اس وقت جیرال کے ہونٹ ہلے:

"انسپکٹر جمشید! اس میں شک نہیں کہ تم ایک زبردست چال کامیابی سے چل گئے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم نے مجھے شکست دے دی۔ شکست کی بات ابھی دور ہے ... کیونکہ میرے ہاتھ ہیر سلامت ہیں ... اور پھر بیکال کا اصل منصوبہ اپنے کچھ قیدی چھڑانا تھا ... وہ بھی انہوں نے چھڑا لیے ... ڈائری کا تو مسئلہ ہی نہیں ... لہذا آجائو

میدان میں، جیرال اب بھی تم سب کو ناکوں پنے چبوا سکتا ہے۔“
 ”انسپکٹر کامران مرزا کیا خیال ہے ... ہم میں سے کون سب
 سے پہلے جیرال کا مقابلہ کرے گا۔“

”میں ہی کر لیتا ہوں۔“

”نہیں انگل ... بڑوں کی باری بعد میں آئے گی ... پہلے ہم
 انگل جیرال سے ٹکرائیں گے بلکہ ہم ایک ایک کر کے مقابلہ کریں گے
 ایک ہی وقت میں نہیں۔“

”جیسے جی میں آئے مقابلہ کرو... کوئی پابندی نہیں۔“

”بس تو پھر سب سے پہلے میں جیرال کا مقابلہ کروں گا۔“
 فاروق نے آگے بڑھ کر کہا۔

”لیکن سب سے پہلے تم کیوں... میں کیوں نہیں۔“ آفتاب بولا۔

”یوں تو پھر میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ میں کیوں نہیں۔“ مکھن بولا۔

”بس کر چکے یہ تو مقابلہ... یونہی باتوں میں وقت ضائع کرتے
 رہیں گے۔“ محمود نے جھلا کر کہا اور میدان میں آگیا۔

”بس! اب بڑے بھائی آگے چلے گئے ہیں... لہذا ہم پیچھے ہٹ

جاتے ہیں، ورنہ ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔“ آفتاب نے جلدی سے کہا۔

”بزدل لوگ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں۔“ آصف نے منہ بنایا۔

”ہا نہیں آصف تم نے ہمیں بزدل کہا، اچھی بات ہے ... اب
 پہلے ہم مقابلہ کریں گے۔“

”بہتر ہوگا کہ تم لوگ ٹاس کر لو۔“ جیرال ہنسا۔

”میرا خیال ہے، یہ ترکیب ٹھیک رہے گی۔“ فاروق چپکا۔

”نہیں! سب سے پہلے فاروق مقابلہ کرے گا۔“ انسپکٹر جمشید
 نے گویا فیصلہ سنایا۔

”شکریہ ادا جان!“

”خیر کوئی بات نہیں... تمہارے بعد میں باری لوں گا۔“
 آفتاب فیصلہ کن انداز میں بولا۔

ادھر فاروق جیرال کی طرف بڑھا:

”انگل! آپ مجھ پر وار کریں گے یا میں آپ پر وار کروں۔“

”میں وار کروں گا تو یہ اچھا نہیں ہوگا ... ہاں جب بڑوں کی

باری آئے گی، اس وقت میں دو دو ہاتھ دکھاؤں گا۔“

”آپ فکر نہ کریں انگل... ہمارے بڑے آپ کے ہاتھ دیکھ

لیں گے ...“ فاروق بولا۔

”بس تو پھر تم اپنی کوشش کرو... میں تمہارے مقابلے میں ہاتھوں

اور پیروں کو حرکت دینا اپنی توہین خیال کرتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے انکل جیرال! ہم چھوٹوں کے ہاتھ دیکھے۔“
اور پھر فاروق نے آگے بڑھ کر بجلی کی سی تیزی سے اپنی دونوں
انگلیاں اس کی آنکھوں میں گھونپ دیں۔

جیرال کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی... وہ ٹپ کر پیچھے بنا...
اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتا چلا گیا:

”بہت خوب فاروق... تم نے اسے درست جواب دیا... جو
لوگ خود کو اتنا بڑا خیال کرنے لگتے ہیں، انہیں ایسے ہی چھوٹے وار
سے شکست دینی چاہیے۔“

”شکر... جان۔“ فاروق خوش ہو گیا۔

”یہ... یہ تم نے کیا کیا... میری اجازت سے فائدہ اٹھایا...“
جیرال چلایا۔

”یہ آپ کی نعلی ہے جیرال انکل... آپ کو جانا چاہیے...
انسان کے جسم کے بعض حصے بہر حال پتھر کی طرح سخت نہیں ہیں۔“
”خیر کوئی بات نہیں... آؤ... میں ٹھیک ہوں۔“ جیرال نے
قدرے مسکرا کر کہا۔

”کیا... کیا کہا مسٹر جیرال! آپ ٹھیک ہیں۔“

”ہاں بھئی... میری آنکھوں کو انگلیاں لگی ضرور ہیں، لیکن میں

بروقت پیچھے ہٹ گیا تھا... اس لیے نقصان نہیں ہوا... دیکھ لو... ان
سے کوئی خون نہیں بہہ رہا۔“

انہوں نے دیکھا... جیرال نے دونوں آنکھیں کھول دی تھیں اور
مسکرا رہا تھا۔ اب تو فاروق بوکھلا اٹھا:

”گھبرانے کی ضرورت نہیں، مقابلہ کرو۔“ انسپکٹر جشید مسکرائے۔

اس سے فاروق کا حوصلہ پھر بڑھ گیا... اس نے کہا:

”انکل جیرال! پھر نہ کہتا... میرا دوسرا وار سنبھالیں۔“

”آؤ آؤ...“ اس نے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا۔

فاروق ایک بار پھر آگے بڑھا... ان حالات میں محمود نے
بے چینی محسوس کی... وہ پکار اٹھا:

”میرے خیال میں تو ہمیں انکل جیرال سے ترکیب نمبر 13 کے
تحت لڑنا چاہیے۔“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں...“ جیرال بولا۔

”تو کیا آپ کو معلوم بھی ہے کہ ہماری ترکیب نمبر 13 ہے کیا۔“

”ہاں! کیوں نہیں... تم سب دائرے میں کھڑے ہو جاتے ہو

اور مل کر چاروں طرف سے حملہ کرتے ہو... مجھے کوئی پروا نہیں... جس

طرح چاہو حملہ کرو... سب کے سب مل کر کریں یا اکیلے اکیلے۔“

”ٹھیک ہے ترکیب نمبر 13۔“ انسپکٹر جمشید نے گویا اجازت دی۔

اور وہ سب جہراں کے گرد ایک دائرے میں آگئے :

”اب بھی وقت ہے۔۔۔“

”کیا مطلب! کس بات کا وقت ہے۔“

”میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں... قیدی اپنے گھر کی طرف پرواز

کر چکے، ان حالات میں جنگ کر کے تم لوگ کیا فائدہ اٹھا لو گے۔“

”ہم مسٹر جہراں! تم کو گرفتار کر کے جیل میں رکھیں گے

... تمہارے بدلے جو قیدی ہم نے ادھر بھیجے ہیں... انہیں پھر واپس

حاصل کریں گے... اور تم کو ایک نئی بات بھی سنائیں گے۔“

”اس طرح تم سب میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔“

”ہمیں اس کی پروا نہیں... کہ سب مارے جاتے ہیں یا ہم

میں سے ایک دو مارے جاتے ہیں۔“ فاروق نے منہ بنایا۔

”تم لوگوں کی مرضی... اب تم ترکیب نمبر 13 اختیار کرو یا چودہ،

میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کروں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

”آؤ پھر... آؤ... گلا ہے... یہ جنگ ہو کر رہے گی۔“

”بالکل ہو کر رہے گی... ہم بجیک میں فتح لینے کے عادی نہیں ہیں۔“

”اچھی بات ہے... اب میری طرف سے بھی اعلان جنگ ہے

... میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔“

”اور اب ان حالات میں ویسے بھی ہم آپ سے کسی رعایت کی

توقع نہیں رکھتے۔“ رفعت مسکرا کر بولی۔

”آؤ۔“ جہراں کا نرم لہجہ پہلی بار غراہٹ میں تبدیل ہوتا نظر آیا۔

انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر شوکی اور خان رحمان

دو طرف سے اس کی طرف بڑھے... آصف اور محمود دائیں بائیں سے

حملہ آور ہوئے، فرزاد نے آگے بڑھ کر بلا کی تیزی سے اس کے بال

پکڑ لیے... اور ان سے لگ گئی... اسی طرح باقی سب بھی آگے بڑھے

اور جہراں کو جو تک کی طرح چٹ گئے... اس وقت خان رحمان نے کہا:

”اب کیا خیال ہے مسٹر جہراں۔“

”اچھی طرح پکڑ لو... پھر نہ کہتا گرفت مضبوط نہیں کی تھی۔“

”ہم یہ نہیں کہیں گے...“ انسپکٹر جمشید بولے۔ ابھی تک وہ

اور انسپکٹر کامران مرزا حرکت میں نہیں آئے تھے... انہوں نے جہراں کو

کسی بھی طرف سے نہیں پکڑا تھا۔

”اور تم دونوں... کیا یونہی کھڑے رہو گے۔“ جہراں ہنسا۔

”ہم اپنی چھوٹی پارٹی اور ان دوستوں کی کوشش کا نتیجہ دیکھنا

چاہتے ہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

”یہ تو دھول کی طرح اڑ جائیں گے ... میں اپنے جسم کو ایک جھٹکا دوں گا اور یہ گئے، وہ گئے۔“

”باتیں بنانے سے کچھ نہیں ہوگا مسٹر جیرال ...“ خان رحمان نے کڑوے لہجے میں کہا۔

”اچھی بات ہے ... میں جبرجری لینے لگا ہوں ... تیار ہو جائیں۔“

جیرال نے ایک دور دار جبرجری لی ... اور نہ جانے اس جبرجری میں کیا تھا ... وہ نضا میں اترے اور اوپر اوجھڑتے چلے گئے ... کوئی دور جا کر گرا تو کوئی درخت سے ٹکرا کر پاس ہی گر گیا۔ جیرال کے جسم سے بہر حال الگ ہو گئے۔

”اب کیا خیال ہے ... میں انڈیا کا جیرال ہوں یا شائد کا۔“

”یہ ایک تجربہ تھا۔“ فرحت نے فوراً کہا۔

”وہ ایک محاورہ ہے نا تمہاری زبان میں ... ناچ نہ جانے آگن میڑھا ... تم لوگوں پر فٹ بیٹھتا ہے ... بہر حال اب معاملہ تجربے تک نہیں رہتا چاہے ... کیا سمجھا؟“ جیرال ہنسا۔

وہ پھر آکر جیرال سے چٹ گئے۔ اب بھی انسپکٹر جمشید اور

انسپکٹر کامران مرزا الگ کھڑے رہے :

”تم دونوں اس بار بھی ان کے ساتھ مجھے نہیں پکڑو گے۔“

”نہیں ... دراصل ہم۔“ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

”دراصل ہم تیل دیکھ رہے، تیل کی دھار دیکھ رہے ہیں۔“

کامران مرزا نے محاورہ مکمل کیا۔

”میری طرف سے تم لوگ تیل کا پورا بیرل دیکھ لو۔“ جیرال

کے لہجے میں حد سے زیادہ خود اعتمادی بھلک رہی تھی۔

”ایک بار پھر انہیں تجربہ کر لینے دو پھر ہم میدان میں آئیں گے۔“

”تمہاری مرضی ... میں جبرجری لے رہا ہوں۔“ جیرال بولا۔

”کوئی اعتراض نہیں۔“ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔ ان دونوں

کی نظریں مسلسل جیرال پر جمی تھی۔ اور پھر اس نے جبرجری لی ... وہ

ایک بار پھر گویا اڑتے ہوئے دور دور جا گرے اور اس بار ان میں سے

کئی کو چوٹیں بھی آئیں ... ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے :

”بہت خوب مسٹر جیرال ! ہم سمجھ گئے ... اب ہم دونوں تم کو

پکڑیں گے ... اور تم کو زیر زمین جیل میں رہنا پڑے گا ... اگر وہاں

سے فرار ہو گئے تو اور بات ہے۔“

”پہلے مجھے شکست تو دے لو۔۔۔“

”ہاں ضرور... کیوں نہیں چلو بھی... سب مل کر انگل جیرال کو پکڑ لو... اس مرتبہ یہ جبر جبری نہیں لے سکیں گے۔“

”کیا واقعی۔“ جیرال نے ہنس کر کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“

ان سب نے پھر جیرال کو پکڑ لیا... اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوطی سے پکڑا۔ اب انسپکٹر کامران مرزا اور انسپکٹر جمشید آگے بڑھے... ان دونوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر جیرال چونکا:

”یہ... یہ کیا کر رہے ہو تم دونوں۔“ جیرال نے حیران ہو کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے پھر ایک بہت زور دار جبر جبری ٹی... اور وہ سب ادھر ادھر اچھل کر گرے۔ ساتھ ہی وہ سنبھل کر ان دونوں کی طرف پلٹا... اب وہ پوری طرح چوکنا تھا... اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا جا رہا تھا:

”ہا ہا ہا، تم نے دیکھا انسپکٹر جمشید اور کامران مرزا... میں تمہارے قلابو میں آنے والا نہیں ہوں... اور میں جانتا ہوں... کہ بیک وقت تم دونوں کی گرفت میں آجانے کا مطلب ہے... میری فیصلہ کن شکست... اور میں اتنا بیوقوف نہیں کہ تمہارے قلابو میں آجاؤں... اب میں یہاں سے نکل رہا ہوں... مجھے روکنے کی کوشش نہ کرنا...“

یہ کہتے ہی اس نے جزیرے کے درمیان کی طرف بے تحاشہ دوڑ لگائی، ساتھ ہی چلایا:

”خبردار! میری طرف نہ بڑھنا ورنہ چوٹ کھاؤ گے... اور میرے ان الفاظ کے بعد بھی اگر ضرور پکڑنا چاہتے ہو تو آجاؤ اور چوٹیں کھاؤ...“

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ گھنے درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو گیا... انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں کہ اس کے پیچھے دوڑ لگائیں یا نہ لگائیں... آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

”جانے دو اسے...“

”لیکن ابا جان! جیرال ہمارے قیدی چھڑا لے گیا...“

”ذرا ٹھہرو...“ وہ بولے۔

”جی... کیا فرمایا... ذرا ٹھہرو... لیکن اتنی دیر میں تو وہ کہیں کا کہیں چلا جائے گا۔“

”وہ زیادہ دور نہیں جا سکے گا... اس کے لئے اب فرار کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کہ وہ تیر کر یہاں سے نکلے...“

”ویسے بھی یہ کیا کم ہے کہ ہم نے اس کا پلان خاک میں ملا دیا ہے۔“ کامران مرزا مسکرائے۔

"گویا آپ کہہ رہے ہیں... اسے جانے دیا جائے۔"

"ہاں! کیوں کامران مرزا... آپ کیا کہتے ہیں۔"

"وہی... جو آپ کہہ رہے ہیں... وہ مسکرائے۔"

"یہ آپ دونوں کیسی باتیں کر رہے ہیں... ہم تو جیرال کے ہاتھوں ہر لحاظ سے اور ہر محاذ پر شکست کھا چکے ہیں... اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اس کا پلان خاک میں ملا دیا۔"

ایک منٹ بعد جزیرے کی فضاؤں میں جیرال کی آواز گونجی:

"میں جزیرے پر موجود ہوں... لیکن تم مجھے تلاش نہیں کر سکو

گے... تم لوگوں نے اچھا کیا... میرا تعاقب نہیں کیا... ورنہ سب کے

سب مارے جاتے... جو نبی تم لوگ مجھے پکڑنے کے لیے آگے بڑھتے،

ریت کے پیچھے بھی بارودی سرنگیں تم لوگوں کے پڑنے اڑا دیتیں جو میں

ریموٹ کنٹرول کے ذریعے دوڑنے کے دوران اکیلے کرتا جا رہا تھا... یعنی

جہاں جہاں سے میں گزر رہا تھا وہاں سے میرے آگے بڑھنے کے ساتھ

ساتھ میرے پیچھے یہ بارودی سرنگیں آن ہوتی جا رہی تھیں... تم لوگوں

کی پہنچ سے باہر آتے ہی میں نے ان بارودی سرنگوں کو پھر بیکار کر دیا

ہے... کسی وقت ضرورت پڑی تو پھر اسے کارآمد کر لوں گا... اور تم کو

یہ جان کر خوشی ہوگی کہ آج پورا وقت تم لوگوں کی جان میری منہی میں

تھی... جس جگہ تم کھڑے ہو اور جہاں جہاں تم لوگ چل پھر رہے تھے... یہ پوری جگہ ریموٹ آپریٹڈ بارودی سرنگوں سے اٹی پڑی تھی اور ان کا کنٹرول میرے ہاتھوں میں تھا... میں جب چاہتا ایک ایک ٹن دبا کر تم لوگوں کے پڑنے اڑاتا رہتا... لیکن کیا کروں... چوہے بلی والا کھیل مجھے بہت ہی پسند ہے اور تم لوگوں سے مقابلہ کرنا تو میری تفریح ہے... بس اسی لئے اتنی دلچسپ تفریح سے ہاتھ دھو لینے کا دل نہیں چاہتا ورنہ تم لوگوں کو کب کا ختم کر چکا ہوتا۔ فی الحال میں چلا... پھر ملیں گے۔"

اس کی آواز کی گونج ختم ہونے کے بعد ایک طویل سناٹا چھا گیا... سمندری پرندوں کی آوازوں اور ساحل سے لہروں کے ٹکرانے کی سائیں سائیں کے علاوہ کسی کے منہ سے کوئی لفظ نہ نکل سکا... جیرال کے ہاتھوں وہ کس قدر بے بس تھے... لیکن جیرال تو آخر جیرال تھا... انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کی فکر کا اس دنیا میں شاید یہ ایک ہی آدمی تھا... جیرال... دنیا کا چالاک ترین انسان... جس کا ہر منصوبہ انجانی مکمل ہوتا تھا... آخر کوئی تو وجہ تھی کہ اس کو واپس لانے کیلئے بڑی طاقتوں نے اربوں ڈالر سائنسی تحقیق پر پھونک ڈالے تھے۔

"ایک منٹ جیرال... کیا اس ڈائری میں واقعی کچھ نہیں ہے۔"

اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

جہنم کا دہانہ

پھر دوسرا دھماکا... تیسرا دھماکا... اور پھر دھماکوں کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا... پھر انہوں نے ایک عجیب ترین منظر دیکھا... جزیرے کے پچھوں بچ پانی کا ایک فوارہ بلند ہوا... اور دیکھتے ہی دیکھتے کئی سو فٹ بلند ہو گیا... اسی وقت ان سب نے انسپکٹر کامران مرزا کو چلاتے سنا:

”دوڑو... ساحل کی طرف دوڑو... جتنا تیز دوڑ سکتے ہو... ساحل پر پہنچ کر پانی میں چھلائیں لگا دو... کچھ دیر میں یہ جزیرہ جہنم بن جائے گا...“

ان سب نے بے تحاشہ دوڑنا شروع کر دیا... دوڑتے دوڑتے فاروق کی نظر پڑی... اس نے دیکھا... انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ نہیں آ رہے تھے... ان کا رخ کسی اور طرف تھا جب کہ ان سب کا رخ ساحل کی طرف تھا... لیکن وہاں بھی ایک ہولناک نظارہ ان کا منظر تھا:

”ارے... ارے باپ ارے... پھر وہی وہیل شارک...“ شوکی کے منہ سے خوف میں ڈوبی چیخ نکل گئی۔

”اور اس بار یہ سیدھی ہماری ہی طرف آرہی ہے۔“ فرحت دوڑتے دوڑتے اچھل پڑی۔

”اس کی رفتار بھی بہت تیز ہے... ایسا لگتا ہے کہ ساحل پر چڑھ کر ہمیں ہڑپ کر جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔“ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

”لگتا ہے بیچاری کئی روز کی بھوکی ہے۔“ خان رحمان ترس کھاتے والے انداز میں بولے۔

”ایسا کرتے ہیں... پھیلی سے کہتے ہیں کہ تم شوکی برادرز کو لے جاؤ... ان کو چٹ کر کے اپنا پیٹ بھر لو... ویسے بھی یہ کام کے نہ کاج کے دشمن اناج کے...“ آفتاب مسکرایا۔

”بات تو ٹھیک ہے... ابھی تک اس کیس میں شوکی برادرز نے کوئی کارنامہ نہیں دکھایا...“

”بری بات آفتاب... شوکی برادرز کو ہم نے بلایا تھا... یہ ہمارے مہمان ہیں... اس کیس میں کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا جہاں یہ کچھ ہاتھ پاؤں بلا سکتے۔“ کامران مرزا نے آفتاب کو ڈانٹا۔

”کوئی بات نہیں انکل کامران مرزا... کہنے دیں انہیں... ہم نے

برا نہیں منایا ... ہم جانتے ہیں کہ یہ ان کی عادت ہے۔" شوکی اداس لہجے میں بولا۔

"نہیں شوکی ... اتنے اداس لہجے میں کیوں گے تو ہمیں دکھ ہوگا ... ہم تو یونہی مذاق کر رہے تھے ... ہمارا ارادہ تمہارا دل دکھانے کا ہرگز نہیں تھا ... ہمیں معاف کر دو شوکی بھائی۔"

"چلو تم بھی کیا یاد کرو گے ... کر دیا معاف۔" شوکی خوش دلی سے مسکرایا۔

اس دوران وہ ساحل کے قریب پہنچ چکے تھے اور ان کے سامنے دہل شادک سمندر میں ایک جگہ ٹھہری ہوئی تھی ... بالکل کسی موٹر بوٹ کی طرح پانی میں ہلکورے لے رہی تھی:

"ہائیں یہ کیا ... یہ تو رک گئی ... بڑی مہذب مچھلی ہے ..."

"ہاں ایسا لگ رہا ہے کہ انتظار کر رہی ہے کہ ہم شرافت سے اپنے کسی ساتھی کو خود ہی اس کے حوالے کر دیں۔"

"م ... میں تو کم از کم ہرگز نہیں جاؤں گا ..." مکھن سننایا۔

"دیے بھی مچھلیاں مکھن نہیں کھاتیں ... اسی لئے تو اتنی اہمیت

ہوتی ہیں۔" رفعت کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت سمندر کی طرف سے آواز ابھری:

"تم سب یہاں آ جاؤ ... جلدی کرو۔"

"یا اللہ رحم ... یہ تو ہم سب کو بلا رہی ہے ... گویا ایک آدھ

سے اس پیٹ نہیں بھرے گا ... یہ ہم سب کو کھا جائے گی۔"

"لیکن تم لوگوں نے غور نہیں کیا ... یہ مچھلی بالکل صاف اردو میں

بات کر رہی ہے ... بالکل انسانوں والے لہجے میں ..." کامران مرزا مسکرائے ... اور ساتھ ہی انہوں نے مچھلی کو ہاتھ سے کچھ ایسا اشارہ کیا ... جیسے کہہ رہے ہوں:

"ٹھہرو ... ہم آرہے ہیں۔"

"اود ... ارے ... ہائیں ... آپ کی تو اس مچھلی سے پرانی سلام

دعا ہے ... آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔" خان رحمان نے کامران مرزا کو بری طرح گھورا۔

انسپکٹر کامران مرزا ان کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے ... پھر بولے:

"آئیے چلیں خان رحمان ... آپ کو مچھلی کے پیٹ کی میر کراتے

ہیں ... آؤ بھی ... تم سب بھی آؤ۔"

ان سب کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اب انہیں

اندازہ ہو چلا تھا کہ جسے اب تک وہ مچھلی سمجھ رہے تھے وہ دراصل

سائنس کا کوئی کرشمہ تھا۔ پانی میں چل کر اور کچھ تیر کر وہ مچھلی

کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر اس کے منہ میں داخل ہو گئے ... اندر جا کر ان کی آنکھیں ایک بار پھر حیرت سے کھل گئیں ... سوائے پروفیسر داؤد، کامران مرزا، محمود، فاروق اور فرزاد کے ... کیونکہ پروفیسر داؤد نے تو خیر اسے ایجاد کیا تھا، اور وہ تینوں پہلے بھی اس کپسول نما آبدوز کی میر کر چکے تھے ... یہ اور بات ہے کہ اس رات سمندر کی تہہ میں اس کی شکل نہیں دیکھ پائے تھے ... درنہ پہلے ہی سمجھ چکے ہوتے کہ وہ کوئی دہل شارک نہیں بلکہ پروفیسر داؤد کی ایجاد کردہ ایک جدید ترین آبدوز ہے ... جسے دشمن کی نظروں سے اوچھل رکھنے کیلئے دہل شارک کا روپ دیا گیا ہے ... اور اسی لئے جیرال جیسا شاطر ذہن بھی اس پر اصلی مچھلی کا گمان کر بیٹھا ... اور دھوکا کھا گیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ انکل جمشید پہلے سے جانتے تھے اور اسی لئے وہ پہلی بار اسے دیکھ کر بے دھڑک پانی میں کود پڑے تھے یعنی مچھلی کا اس وقت سمندر میں دکھائی دینا، وہ خوفناک آواز نکالنا اور انکل جمشید کا یہ ظاہر کرنا کہ وہ مچھلی کے منہ میں چلے گئے ... سب دراصل ان کے جواہی پان کا ہی ایک حصہ تھا۔“ آصف سمجھنے کے انداز میں کہتا چلا گیا۔

”لیکن جمشید اس وقت کہاں ہے ... ہمارے ساتھ آبدوز میں کیوں نہیں آیا۔“ پروفیسر داؤد نے پریشانی کے عالم میں پوچھا۔

”وہ اس وقت سے ہی ہمارے ساتھ نہیں ہیں جب ہم ساحل کی طرف دوڑے تھے، میں نے انہیں مخالف سمت میں جاتے دیکھا تھا، شاید وہ جیرال کو پکڑنے کی نیت سے اس طرف گئے ہوں۔“ فاروق نے کہا۔

”وہ دیکھو ... جزیرے کی طرف۔“ محمود زور سے چلایا۔

سب نے چونک کر اس طرف دیکھا اور پھر ان کی سٹی کم ہو گئی ... جہاں سے پہلے پانی کا سینکڑوں فٹ بلند فوارہ نمودار ہوا تھا ... اب وہاں ایسا لگتا تھا جیسے جہنم کا دہانہ کھل گیا ہو ... اب وہاں آسمان سے باتیں کرتی آگ کی زبردست لپٹیں تھیں ... اور ان کی تپش میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا ...

”یہ کیا ہو گیا ... پہلے پانی پھر آگ ... آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔“

”کہیں یہ باردی سرنگوں کے دھماکے تو نہیں جن کا ذکر جیرال نے کیا تھا ...“

”انسپکٹر جمشید کو آنے دو ... پھر ہمیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“

”انکل! کیا آگ کا یہ فوارہ اسی جگہ سے بلند نہیں ہو رہا جہاں چنائیں تھیں اور جن پر چڑھنے کی کوشش میں ہم سب ناکام رہے تھے۔“

”ہاں فرحت ... شاباش ... تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہے۔“

اس وقت تک وہ اندر اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے اور کپسول کے

شیشوں سے باہر کا منظر دیکھ رہے تھے ... ان کے علاوہ کپسول میں منہ کے دو افراد اور بھی تھے جو کپسول کو کنٹرول کر رہے تھے :

”ہیلو ... میں ہوں ایجنٹ صفدر فرام سیکرٹ سروس ... اور یہ ہیں ایجنٹ نیو۔“ ایجنٹ صفدر نے اپنا اور اپنے ساتھی کا تعارف کر دیا

”ہم سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔“ کامران مرزا نے مسکراتے

ہوئے ان سے ہاتھ ملائے اور ان کے بعد بادی بادی ان سب نے۔

”یہ ابا جان کہاں رہ گئے ... جزیرے پر تو اب آگ ہی آگ ہے ... اور جہال کا بھی کہیں پتا نہیں۔“ فرزانہ کی بے چینی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

”فکر نہ کرو فرزانہ ... جو کچھ بھی ہوا ہے ... میں پروگرام کے مطابق ہوا ہے ... بہت جلد انسپکٹر جمشید ہمارے ساتھ ہوں گے۔“

کامران مرزا نے پرسکون انداز میں کہا۔

اسی وقت کپسول کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔

☆☆☆☆☆

سونامی

انسپکٹر جمشید نے کوشش کی تھی کہ غیر محسوس طور پر ان سب سے الگ ہو جائیں ... وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کے ساتھ آئے ... لیکن وہ یہ نوٹ کر چکے تھے کہ فاروق نے انہیں پلٹ کر دوسری طرف دوڑتے دیکھ لیا ہے ... اس وقت جو کچھ وہ کرنے جا رہے تھے ... اس میں زندہ بچ جانے کے امکانات بہت ہی کم تھے ... وہ جانتے تھے کہ کسی وقت بھی یہ جزیرہ ایک دہکتے ہوئے جہنم کا منظر پیش کرنے والا ہے ... یہ ایک جان لیوا قسم کی مہم جوئی تھی ... لیکن ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ پانچ منٹ کے بعد آگ کا مرکز بننے والی ان چٹانوں کو عبور کر کے جزیرے کے دوسری طرف والے ساحل تک پہنچیں ...

جزیرے کے دوسری سمت پہنچنے والا دوسرا راستہ انہیں نہیں منٹ سے پہلے نہیں پہنچا سکتا تھا ... اور جس راستے سے وہ جانے کا پروگرام بنا چکے تھے ... وہاں سے اس وقت پانی کا سینکڑوں فٹ اونچا فوارہ بلند ہو رہا تھا

”یہ خان رحمان کے دماغ میں گھس کر چیخنے کیلئے... یہ بوڑھے پروفیسر داؤد کو تڑپانے کی رسید... یہ شوکی کی چیخوں کا حساب... یہ کامران مرزا کی بے مثال قوت برداشت کا امتحان لینے کا جواب...“ وہ کہتے جا رہے تھے... ساتھ ہی ساتھ ان کے دونوں ہاتھ جیرال کی ناک، کھوپڑی اور ٹھوڑی کا مزاج پوچھتے جا رہے تھے... لیکن آخر کب تک... اور پھر جیرال کسی درخت کے کٹے ہوئے تنے کی مانند پتھریلی زمین پر گر پڑا... اس وقت ان کی نظر نیچے ایک پتھر سے دی کے سہارے بندھی اسپینڈ بوٹ پر پڑی:

”تو یہ ہے جیرال کے فرار کا سامان...“ انہوں نے سوچا۔

اسی وقت آس پاس کی ساری فضاء سرخی مائل ہو گئی... ساتھ ہی آگ کی شدید لہروں کی تپش نے انہیں بے اختیار نیچے جھکنے پر مجبور کر دیا... ہوا کا رخ اس طرف ہونے کے سبب آگ کی تپش ناقابل برداشت ہوئی جا رہی تھی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا... آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے تھے... واپس جانے کا راستہ بند ہو چکا تھا... اب تو بس ایک ہی راستہ تھا اس آگ سے بچنے اور جزیرے سے دور ہونے کا... کہ وہ جیرال کی اسپینڈ بوٹ لے کر وہاں سے نکل جاتے... انہوں نے بے ہوش جیرال کو کندھے پر اٹھایا اور دس فٹ کی اونچائی سے بوٹ میں پھانک

لگا دی... وہ بخوبی واقف تھے کہ جیرال اس وقت بھی کیا کیا چالیں چل سکتا تھا... خود کو بے ہوش ظاہر کرنا... یہاں تک کہ سانس روک کر خود کو مردہ ظاہر کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا... وہ کسی لمحے بوٹ سے اچھل کر پانی میں لوٹ لگا کر فرار ہو سکتا تھا... مگر بے سمندروں میں گھٹنوں تیرتے رہنا اس کیلئے کوئی بڑی بات نہ تھی... یعنی وہ جب چاہے فرار ہو سکتا تھا... انسپکٹر جمشید کو یاد تھا کہ کس طرح پہلی بار وہ اسی طرح سمندر میں کود کر جیرال ان کی قید سے بھاگ نکلا تھا... اور آج بھی کم و بیش ویسی ہی پوزیشن تھی۔

ان کی توقعات کے برعکس ابھی تک جیرال کے جسم میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی... شاید وہ سچ سچ بے ہوش ہو چکا تھا... لیکن جیرال کے بارے میں انسپکٹر جمشید اس مقولے پر یقین رکھتے تھے کہ بھونکتے ہوئے کتے کا نا نہیں کرتے لیکن کون جانتا ہے کہ ایک بھونکتا ہوا کتا کب بھونکنا بند کر دے اور کاٹنا شروع کر دے۔ اسی طرح کوئی نہیں جانتا تھا کہ جیرال کی بے ہوشی کب ختم ہو جائے اور وہ فرار ہو جائے۔

بوٹ کا انجن اسٹارٹ کرنے میں انسپکٹر جمشید کو دشواری پیش نہ آئی۔ اسٹیرنگ سنبھالتے ہی انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ بوٹ کو جتنا زیادہ ممکن تھا، جزیرے سے دور لے جانے کی کوشش کی... پھر کافی دور

ہٹ جانے کے بعد انہوں نے نیم دائرے کی شکل میں بوٹ کو ایک لمبا پکڑ دیا اور پھر اسٹیزنگ سیدھا کر کے بوٹ کو پوری رفتار پر چھوڑ دیا۔۔۔ اس وقت سمندر میں زلویے اور صبح رخ کا پتہ لگانا کافی مشکل تھا۔۔۔ اس لئے انہوں نے سورج کی پوزیشن سے رہنمائی حاصل کی۔۔۔

اب ان کا رخ جنوب مغرب کی طرف تھا... اس کا مطلب یہ تھا کہ پہلے وہ اپنے ساتھیوں تک پہنچنا چاہتے تھے... کیونکہ اگر وہ اپنے شہر کی بندرگاہ یا کسی ساحل کی طرف جانے کا ارادہ کرتے تو ان کو شمال مشرق کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ اس وقت ان کے پاس نہ وائریس سیٹ تھا اور نہ موبائل فون... اس بھاگ دوڑ میں ان کا موبائل فون بھی کہیں گر گیا تھا... لہذا وہ انسپکٹر کامران مرزا وغیرہ سے بھی رابطہ نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن اب مسئلہ یہ تھا کہ اپنے ساتھیوں سے رابطہ کیسے قائم کیا جائے... ویسے انہیں امید تھی کہ انسپکٹر کا مران مرزا مچھلی نما آبدوز کپھول کے ریڈار سسٹم کے ذریعے ان کا سراغ لگا ہی لیں گے... سمندر کی سطح پر کپھول کے کوئی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے... سہ پہر کا وقت تھا... اور سمندر کافی پرسکون تھا... جزیرے کی آگ بھی مدہم پڑ چکی تھی... دھماکے بھی اب ختم چکے تھے... اچانک انہیں سمندر کی سطح بلند ہوتی

مسموم ہوئی ... انہیں لگا کہ بوٹ ایک طرف جھکتی جا رہی ہے اور پھر شاید انہوں نے اپنی زندگی کا ایک اور ہولناک منظر دیکھا ... سمندر کی سطح حیرت انگیز طور پر بلند ہوگئی تھی ... پانی کی ایک تیس فٹ بلند اور اونچی مہیب دیوار بے پناہ شور کے ساتھ ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی ... پھر یکایک سب کچھ الٹ پلٹ ہو گیا ...

اس موقع پر بھی ان کی حاضر دہائی کام آئی ... اور اس سے پہلے کے سمندر کی لہر ان کی بوٹ کو اٹھا کر جزیرے کی چٹانوں پر ٹخ دیتی ... انہوں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی ... اور چند ہی لمحوں بعد بوٹ ایک نوکیلی چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ... تھوڑی دیر تیرتے رہنے کے بعد تباہ شدہ بوٹ کا ایک تختہ ان کے ہاتھ آ گیا ... جزیرہ پانی میں گم ہو گیا ... سمندر کی لہر نے جزیرے کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا ... یہاں تک ان کے ذہن میں جھماکا سا ہوا :

”جبرال کہاں گیا۔۔“

انہوں نے پوچھا کہ ادھر ادھر دیکھا... لیکن حیرال کا کہیں ہا نہیں تھا... "کیا وہ ڈوب گیا۔" ان کے ذہن نے سوال کیا۔ "یہ تو بہت برا ہوا... حیرال کا اس طرح مر جانا یا ہاتھ سے نکل جانا... دونوں ہی باتیں تکلیف دہ تھیں... ان کی ساری محنت سمندر برد ہو گئی تھی... حیرال

ہاتھ میں آکر نکل گیا تھا... مگر وہ کیا کرتے... اس کی قسمت شاید اس کا ساتھ دے گئی تھی... لیکن ان کا دماغ یہ ماننے کیلئے تیار نہیں تھا جیسا کہ اس طرح مر سکتا ہے... سمندر تو اس کا اوزھنا بچھونا تھا... وہ سمندروں اور بزمیروں کا بے تاج بادشاہ تھا... لا تعداد بار اسے ایسے حالات سے گزرنا پڑا ہوگا... اور وہی سمندر اس بار اسے نکال لے گیا تھا۔

اسی وقت پھلی کی شکل والی کپسول آبدوز ان سے کوئی پانچ سو گز کے فاصلے پر سمندر کی سطح پر ابھری۔

☆☆☆☆☆

واپسی

”یہ جھٹکا کیسا تھا۔“ کامران مرزا نے ایجنٹ صفدر سے دریافت کیا۔

”میں ابھی چیک کرتا ہوں۔“ اس نے کہا اور مانیٹر پر جھک گیا۔

پھر چند ہی لمحوں بعد اس کے منہ سے نکلا:

”اف میرے خدا... یہ تو میں فٹ اونچی لہر سمندر میں اٹھ رہی ہے... یہ جھٹکا بھی اسی لئے محسوس ہوا تھا...“

”فٹ اونچی لہر... یہ تو سونامی کہلاتی ہے... لیکن سونامی یہاں کیسے اٹھ سکتی ہے۔“

”ہاں... ٹھیک طور پر تو سونامی کے سوا اسے اور کسی نام سے پکارا نہیں جاسکتا۔“

”لیکن کیسے... کیا اس علاقے میں زلزلہ آیا ہے...“

”نہیں زلزلہ تو نہیں... لیکن اتنی قوت کی لہر پیدا کرنے کیلئے تو وہ دھماکے ہی کافی تھے... جنہوں نے اس جزیرے کی بنیادوں کو ہلا دالا تھا

...ریکٹر اسکیل پر ان کی شدت پانچ اعشاریہ ایک ریکارڈ ہوئی ہوگی ...
اور یہ بیس فٹ اونچی لہر اسی کے نتیجے میں اٹھی ہے ... اتفاق سے ہم اس
وقت تہہ کے نزدیک ہیں اس لئے ہماری اس ننھی سی آبدوز پر اس کا اثر
اس جھکے سے زیادہ نہیں ہوا ... سطح پر ہوتے تو بہت نقصان ہو سکتا تھا۔"
"کیا اب ہم اوپر جا سکتے ہیں۔"

"ابھی نہیں ... کچھ دیر بعد..."

کپسول میں خاموشی چھا گئی ... پھر کوئی بیس منٹ بعد آبدوز نے
بلند ہونا شروع کیا ... جیسے ہی وہ سطح پر ابھرے ... اور ان کی نظر کھڑکی
کے چدرہ ٹلی میٹر موٹے شیشوں کے باہر پڑی ... سب ایک ساتھ چلا
اٹھے: "جزیرہ کہاں گیا۔"

"لہر نے جزیرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے ... یوں کہہ لو کہ
لہر جزیرے کے اوپر سے گزر رہی ہے ... کچھ دیر میں پانی اترنا شروع
ہو جائے گا تو جزیرہ نظر آنے لگے گا۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ارے وہ دیکھیں ... وہ اس تختے پر کیا ہے ..." شوکی چلایا۔

سب نے ایک ساتھ اس طرف دیکھا ...

وہاں کوئی واقعی اس تختے پر موجود تھا ... پھر تختے والے آدمی نے

ان کی طرف دیکھ کر زور زور سے ہاتھ ہلائے:

"ارے یہ تو ایسا جان ہیں۔" فرزانہ بلند آواز میں بولی۔

دس منٹ بعد انسپکٹر جمشید کپسول میں بیٹھے ان سب کو اپنی کہانی
سنارہے تھے ... آبدوز واپس ساحل کی طرف رواں دواں تھی:
اس وقت کامران مرزا کے موبائل فون کی گھنٹی بجی ... انہوں نے
دیکھا ... فون جیروال کا تھا:

"فون انسپکٹر جمشید کو دے دو کامران مرزا..."

انہوں نے فون ان کی طرف بڑھا دیا ... انہوں نے اسے کان
سے لگایا اور بولے:

"قدرت تم پر مہربان ہے جیروال ... ورنہ اس بار تم میرے
ہاتھوں نیل کی ہوا کھا ہی لیتے۔"

"لیکن انسپکٹر جمشید ... تم نے میرا زیر زمین اڈہ تباہ کر کے اچھا
نہیں کیا ... اس کا جواب مجھ پر اوجھار رہا ... میں یہ تو نہیں پوچھوں گا کہ
تم کیسے اور کب سمندر کی تہہ میں موجود وہ خفیہ راستے ڈھونڈنے میں
کامیاب ہوئے ... کیونکہ میرے ایجنٹوں نے شروع سے ہی تم کو ایک
منٹ کیلئے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا ... لیکن میں مانتا ہوں تم
لوگوں کی صلاحیتوں کو ... تم لوگ بالآخر میرے ایجنٹوں کی آنکھوں میں
دھول جھونک کر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔"

”تم جتنی بار بھی ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے آؤ گے جیرال ... ہم اتنی بار تمہارے ارادوں کو خاک میں ملا دیتے رہیں گے۔“

”میری آبدوزیں تباہ ہو گئیں لیکن میں اپنے منصوبے میں کامیاب تو ہو گیا ... اور مجھے کیا چاہیے ... آبدوزیں تو کسی اور منصوبے کا حصہ تھیں ... اور اس پر عمل کرنے کیلئے ایک بار پھر میں زیادہ بھرپور تیاریوں کے ساتھ واپس آؤں گا۔“

”دیکھا جائے گا۔“

”کیا جانتا نہیں چاہو گے کہ میں اس سونامی سے کیسے بچا نکلا ...“

”نہیں ... صرف اتنا کہ تم کس ذریعے سے سفر کر کے یہاں سے نکلے ... تمہاری ساری آبدوزیں تو ہم نے بارود سے اڑا دی تھیں ...“

”میرے ہاتھ اور پہنچ بہت دور تک ہے ... یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا ... ہرگز نہیں ...“

”تم اس وقت ہو کہاں ...“

”میں ... میں تو اب تک اس جزیرے سے دور بہت دور پہنچ چکا ہوں ... اب تم لوگ میری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے ... اگرچہ سمندر میں گرد ہوتی ہی نہیں۔“ جیرال نے چڑانے والے انداز میں کہا۔

”اگر یہی بات ہے جیرال تو میرا دھوئی رہا کہ پھر تم ہمیں اٹکا

فون اور کرو گے۔“

”یہ کرتو دیا ... اور یہ فون میری فتح کا اعلان ہے ... ان ملکوں کی فتح کا اعلان ہے ... جنہوں نے مجھے یہ کام سونپا تھا۔“

”میں نے کہا تھا کہ تم ایک فون اور کرو گے۔“ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا ... اور یہ مسکراہٹ شریہ بچوں والی مسکراہٹ تھی

”اور میں اس وقت کیا کہوں گا۔“ جیرال طنزیہ لہجے میں بولا۔

”اپنی حتمی شکست کا اعلان کرو گے ... اور کیا۔“ انسپکٹر جمشید نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔

”میں ... اور اپنی شکست کا اعلان کروں گا ... بابا بابا ... تم کہیں اپنی شکست سے بوکھلا کر پاگل تو نہیں ہو گئے ... انشا ربہ میں بہت اچھے نفسیات دان بیٹھے ہیں ... کہو تو تمہارے کیلئے وقت لے لوں کسی سے۔“

”نہیں ... ہم پاگل نہیں ہوئے الہت ... تم پاگل ہو جانے کے لیے تیار رہو۔“

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

اب انہوں نے آئی جی کا نمبر ملایا اور ساری صورت حال بتائی۔ ساحل پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان سب کو ایوان صدر طلب کیا گیا ہے۔ لہذا وہاں سے وہ سیدھے ایوان صدر آ گئے ... غیر ملکی زبانوں کے کئی ماہر

پہلے ہی بلائے جا چکے تھے... انہوں نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا... اور آخر حیرال کی بات درست ثابت ہو گئی۔ اس ڈائری میں کچھ نہیں تھا... غیر ملکی زبان کے جو الفاظ لکھے گئے تھے، وہ لپیٹے تھے... عام سے لپیٹے :
 "اور اب ہمیں حیرال کے فون کا انتظار ہے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔ آخر ایک بار پھر کامران مرزا کے موبائل کی کھنٹی بجی۔
 انہوں نے دیکھا... فون حیرال کا ہی تھا:

☆☆☆☆☆

اینٹ کا جواب

"آگیا نا فون۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور موبائل آن کیا... ساتھ ہی انہوں نے اس کی آواز بلند کر دی... تاکہ سب لوگ بات چیت سن سکیں۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا انسپکٹر جمشید کہ مجھے تم کو فون کرنا پڑے گا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کیس میں دراصل شکست ان ممالک کی ہوئی ہے... جو اپنے قیدی چھڑانا چاہتے تھے... وہ ناکام ہو گئے اور تم کامیاب... رہ گیا میں... میرا کیا ہے... انہوں نے میرے ذمے ایک کام لگایا... میں نے وہ کر ڈالا... انہوں نے مجھے اندھیرے میں رکھا اور نتیجہ بھگت لیا اگر وہ سارا منصوبہ مجھے بتاتے تو میں اس منصوبے کو اور طرح سرانجام دیتا... کیونکہ جتنا میں تم لوگوں سے واقف ہوں کوئی اور نہیں... دراصل بیگال کی سیکرٹ سروس کا چیف ایک گھمنڈی آدمی ہے اور خود پر گھمنڈ کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوتے... اس کے ساتھ

بھی ایسا ہی ہوا... نہ صرف نوکری گئی اس احمق کی... بلکہ اب اسے اس کی حماقتوں کی پاداش میں اسے نیل میں سزا دیا جائے گا... بہر حال تم کو یہ وقتی فتح مبارک ہو کہ تم ان کی چال میں نہیں آئے... پھر ملیں گے۔"

یہ کہہ کر حیرال نے فون بند کر دیا:

"یہ کیا بات ہوئی ابا جان!"

"اس کی وضاحت شیخ صاحب کریں گے۔" انسپکٹر جمشید نے آئی جی صاحب کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"ہاں جمشید... کیوں نہیں... بھی بات دراصل یہ ہے کہ جمشید اور کامران مرزا نے یہ طے کیا تھا کہ جو قیدی وہ چھڑانا چاہتے ہیں... ان کی جگہ ان ہی ملک کے نہایت کم اہمیت اور نچلے درجے کے کارکن جاسوس قیدی چھوڑے جائیں... ان کے چہروں پر ان قیدیوں کا میک اپ کر دیا جائے جن کو رہا کروانے کیلئے بیگال نے یہ سارا کھڑاگ پھیلا یا ہے... یہ میک اپ بہت ہی ماہر ترین لوگوں سے کرایا گیا... اور انہیں بتا بھی دیا کہ میک اپ کیوں کیا جا رہا ہے... انہیں تو آزادی مل رہی تھی... کیوں خوش نہ ہوتے اور زبان کو بند کیوں نہ کرتے... بچارے ویسے ہی برسوں سے ہماری جیلوں میں پڑے سڑ رہے تھے اور ان کو لگہ بھی تھا کہ بیگال نے ان کو اپنا شہری تسلیم کرنے

سے بھی انکار کر دیا تھا... قریب قریب لاوارث ہی تھے بچارے... لہذا جن قیدیوں کو بیگال چھڑانا چاہتا تھا... ان کی جگہ یہ قیدی وہاں پہنچے ہیں... ہم نے سوچا تھا، جب ڈائری کا جائزہ لے لیا جائے گا اور ڈائری کی اہمیت واقعی ثابت ہو جائے گی... تب اصل آدمیوں کو چھوڑیں گے... لیکن ان لوگوں نے نہ صرف ہمیں بلکہ حیرال تک کو دھوکا دینے کی کوشش کی تھی... لیکن اس دھوکے کی رو میں وہ خود آگئے... وہ قیدی جو بیگال کو درکار تھے بدستور ہمارے قبضے میں ہیں..."

"اوہ... اوہ..." ان سب کے منہ سے نکلا۔

پھر انہوں نے ایک دوسرے کو آپس میں مبارک بادیں دیں... اور شیخ صاحب سے رخصت ہو کر گھر پہنچے... بیگم جمشید کا پارہ حسب معمول چڑھا ہوا تھا... لیکن جب انہوں نے بتایا کہ وہ کیا کر آئے ہیں تو ان کا چہرہ کھل اٹھا اور انہوں نے مزے دار چیزوں سے لہریز کئی ٹریج ان کے سامنے رکھ دیں...

ان چیزوں سے انصاف کرتے ہوئے فاروق بول اٹھا:

"ابا جان... میں نے محسوس کیا تھا کہ آپ نے صدر صاحب اور

وزیر داخلہ کے سامنے جان بوجھ کر جڑی بے پر ہونے والے دھماکوں کا ذکر گول کر دیا تھا۔"

”دیے سمجھ میں تو میرے بھی نہیں آیا کہ وہ دھماکے کس چیز کے تھے... اور پھر پہلے پانی کا فوارہ اور پھر وہ شدید ترین آگ... وہ سب کچھ کیسے ہوا تھا...“ شوکی نے بھی لقمہ دیا۔

انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کامران مرزا کی طرف دیکھا اور بولے:

”کامران مرزا... ان رازوں سے اب آپ ہی پردہ اٹھائیں۔“

”جیسی آپ کی مرضی... ویسے شوکی صرف تم لوگ ہی نہیں...“

آصف، آفتاب اور فرحت، خان رحمان بھی اس بارے میں اتنے ہی لاعلم ہیں... دراصل ہوا یہ تھا کہ جس وقت جہال کی آبدوز سمندر میں ہماری بحریہ کے ریڈاروں سے اچانک ایسے غائب ہو گئی جیسے اس نے سلیمانی ٹوپی اوڑھ لی ہو... تو اس کے دو ہی مطلب تھے... ایک تو یہ کہ وہ آبدوز تباہ ہو گئی یا پھر سمندر کے نیچے ہی کسی خفیہ جگہ روپوش ہو گئی...

اب مسئلہ یہ تھا کہ اس شہر میں آتے ہی مجھے انسپکٹر جمشید نے خبردار کر دیا تھا کہ یہاں جہال کے ایجنٹ ہم سب کی چوبیس گھنٹے نگرانی کر رہے ہیں... اتفاق سے ہم چونکہ اپنے شہر سے ہی بھیجیں بدل کر چلے تھے... اس لئے وہ ہمیں شروع میں پہچان نہ سکے... لیکن جب ہم ایک سے دوسرے اور پھر تیسرے جزیرے پر پہنچے تو ہماری نشاندہی کر لی گئی۔ ہم صرف جزیروں کا ایک جائزہ لے کر آگئے اور جہال کو اطمینان ہو گیا کہ

ہماری توجہ آبدوز کی تلاش کی طرف نہیں ہے... دوسری طرف انسپکٹر جمشید اور محمود، فاروق، فرزاد کی نقل و حرکت پر بھی جہال کی نظر تھی اور اس نے اپنے کارکنوں کو سختی سے ہدایت دی ہوئی تھی کہ اس معاملے میں کوئی کوتاہی نہ ہونے پائے... لیکن انسپکٹر جمشید وغیرہ اپنی جگہ خفیہ فورس کو اہلکاروں کو اپنے گیٹ اپ اور میک اپ میں اپنے گھر میں چھوڑ آئے... اور اس طرح جہال کے کارندوں کو چکدے دے کر گھر سے فریب مزدوروں کا ساحلی بنائے نکل آئے... پھیروں کی ساحلی بستی میں گئے اور وہاں سے ایک کشتی کرائے پر لے کر بندرگاہ میں اس مقام پر پہنچ گئے جہاں سے مسافروں کو میر کرانے کیلئے کشتیاں اور لائیں چلتی ہیں... جیسے ہی ہم داہیں آکر اپنی لالچ سے اترے... منصوبے کے مطابق عین اسی وقت انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزاد کے ساتھ پانی میں کود گئے... اس مقصد کیلئے خفیہ فورس کے ایک کارکن نے اپنی ٹوپی پانی میں اچھال کر انہیں سنبل بھی دیا تھا... دشمن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ لوگ رات کے وقت سمندر میں اترنے کی ہمت کریں گے... بہر حال... یہ لوگ سمندر کے نیچے ہی نیچے اسی کپسول میں بیٹھ کر اس مقام تک جا پہنچے جہاں آبدوز غائب ہوئی تھی... اور تم تو جانتے ہی ہو کہ اس کی شکل و صورت پر وہیل شارک کا گمان ہوتا ہے... یہی نہیں

²⁶⁷
<https://www.facebook.com/Ishtiaq.Ahmed.Novels>

بلکہ سمندر میں اس کی حرکت بھی پھلی کی نقل و حرکت کے مشابہہ ہوتی ہے... اسی لئے دشمن اس کو پھلی ہی سمجھتا رہتا ہے... خیر... کافی تک و دو کے بعد وہاں پر ایک نہیں بلکہ چار سرنگیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے... یہ سرنگیں موت کے جزیرے سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھیں اور جزیرے کے پھوں بچ ایک مقام پر تعمیر کئے گئے ایک بڑے تالاب میں جا کر نکلتی تھیں... یہ چاروں ایک ایک سرنگ میں داخل ہوئے اور جب وہیں لوٹے تو سب کے پاس کامیابی کی اطلاع تھی... یعنی چاروں نے اپنے اپنے طور پر ایک ایک مرد گمشدہ آبدوز تلاش کر لی تھی..."

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ سب نے الگ الگ سرنگ میں جا کر گمشدہ آبدوز تلاش کر لی ہو..." مکھن نے اعتراض داغ دیا۔

"وہ ایسے کہ وہاں ایک نہیں بلکہ چار آبدوزیں تھیں... اور تمام کی تمام ہموں اور گولہ بارود سے لدی ہوئی... اتنا ایمنیشن تھا کہ ایک محدود پیمانے کی جنگ ایک ماہ تک لڑی جاسکتی تھی... یہ سب دیکھ کر ہم نے وزارت خارجہ کی سیکرٹ مروس سے رابطہ کیا... کیونکہ یہ معاملہ ان کی انٹیلیجنس میم کے دائرہ کار میں آتا تھا... ان کی ایک ٹیم ہے جو ایکسٹو کی ٹیم کہلاتی ہے... پھر جس وقت انسپکٹر جمشید پھلی کو نزدیک سے دیکھنے کا

جواز بنا کر سمندر میں کودے تھے اور جہاں یہ سمجھا تھا کہ پھلی ان کو نگل گئی... تو دراصل انسپکٹر جمشید نے ایکسٹو کی ٹیم کی مدد سے ان سرنگوں تک پہنچ کر چاروں آبدوزوں میں ٹائم بم نصب کر کے جزیرے کی دوسری طرف سے واپس ہم تک پہنچ گئے تھے... جو آج مقررہ وقت پر پھٹ گئے اور ساتھ ہی جہاں کا ایمنیشن کا وہ ذخیرہ بھی خوفناک دھماکوں کے ساتھ تباہ ہو گیا... دھماکوں کے بعد ہمیں پہلے پانی اور پھر آگ کی تباہی کا تو اندازہ تھا... لیکن اس طرف ہم میں کسی کا ذہن نہیں گیا کہ سمندر کی تہ میں اس قدر شدید نوعیت کے دھماکوں سے موتی کی طرح کی ایک ٹیم بکھیں فٹ اونچی لہر بھی اٹھ سکتی ہے۔"

"لیکن اتنا ایمنیشن جہاں وغیرہ نے یہاں کیوں جمع کر رکھا تھا... کیا دشمن کی جانب سے ہمارے ملک کے خلاف کسی ہولناک سازش کی تیاری تو نہیں کی جارہی تھی۔" رفعت نے پوچھا۔

"یہ تو اب دیکھنا ہوگا۔" انسپکٹر کامران مرزا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"اور وہ جو جہاں نے کہا تھا کہ جزیرے پر بارودی سرنگیں بچائی گئی ہیں... کیا وہ سچ تھا..."

"سو فیصد جھوٹ... اس وقت جہاں کو وہاں سے لٹکتا تھا... اور

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہم اس کا تعاقب کریں... اس لئے اس نے ہمیں الجھانے کیلئے یہ بات کردی تھی... جنگ کے زمانے میں ایسی باتوں کو اس انفارمیشن پھیلا نا کہتے ہیں۔“

”اس ایمنیشن کا... جیرال کے ڈائری والے مشن سے کوئی تعلق تو سامنے نہیں آیا۔“ فرحت نے پوچھا۔

”میرے خیال میں تو کچھ بھی نہیں... وہ تو اتفاقہ طور پر سامنے آگیا... وہ تو کسی اور سازش کی تیاری کا حصہ تھا۔“

”ویسے انگل جمشید... آپ کا کیا خیال ہے۔“

”انشادہ کی نظریں آج کل ہمارے ملک کے جنوب مغربی صوبے پر ہے... خفیہ رپورٹیں سامنے آرہی ہیں کہ اس صوبے کو ہمارے ملک سے کاٹ کر... انشادہ اور بیکال اس پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں... اور اس

سلسلے میں خانہ جنگی کی تیاریاں کی جارہی ہیں... شاید یہی وہ سازش ہے... جس کے سلسلے میں جیرال بہت جلد بحرپور تیاریوں کے ساتھ واپس

آنے کا اشارہ دے کر گیا ہے۔“ انسپکٹر جمشید کے لہجہ بہت سنجیدہ تھا۔

”لیکن ابا جان جب اس کی آبدوز ہماری بحری افواج کے گھیرے میں آگئی تھی اور وہ ہمارے شہر آنے پر مجبور ہو گیا تھا تو وہ زمینی راستوں سے بھی تو فرار ہو سکتا تھا، پھر اس نے ایسا کیوں نہیں کیا۔“

”تمہیں یاد ہوگا محمود... کہ میں نے یہ سوال جیرال سے بھی کیا تھا... اور اس وقت اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا... ادھر اس سوال کا جواب گول کر گیا تھا... دراصل جہاں تک میرا اندازہ ہے... جیرال ہم سے بہت کچھ چھپا رہا تھا... ڈائری والے معاملے کے علاوہ وہ یہاں اور بھی بہت کچھ کرنے کی تیاری کر رہا تھا... ایمنیشن سے بھری آبدوزوں کو یہاں پھینکا، ان کو محفوظ رکھنا بھی جیرال کی ذمے داری تھی... اس ایک آبدوز کے گھیرے میں آجانے کے بعد اس کے سامنے اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا کہ آبدوز سمیت سرنگ کے راستے جزیرے پر جا نکلے... لیکن اس کو شک تھا کہ ہم ضرور اس کا کھوج لگائیں گے کہ آبدوز اچانک کہاں غائب ہوگئی... اور ہوا بھی یہی... لہذا اس کے یہاں سے فرار نہ ہونے کی وجہ یہی تھی کہ اپنے اینجنوں کے ذریعے ہماری نگرانی کرتا رہے تاکہ کسی طرح ہمیں آبدوزوں اور جزیرے کی سرنگوں کے راز سے دور رکھے اور پھر موقع ملے ہی آبدوزوں کو یہاں سے لے اڑے... لیکن وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔“

”جیرال کو یہ شکست مدتوں یاد رہے گی۔“ شوکی بولا۔

”لیکن...“ فاروقی کا یک سنجیدگی سے بولا... پھر اس نے جملہ

احرار اچھوڑ دیا۔“

اسندہ ناول کی ایک جھلک

بے تکی وارداتیں

مصنف: اشتیاق احمد

- ☆ آخر یہ جپ وارداتیں وی آئی ہاں لوگوں کے گھروں میں ہی کیوں ہوتی ہیں۔
- ☆ اس واردات کا بھی کوئی سرچر نہیں ہے... بالکل بے تکی واردات۔
- ☆ زائد نیم ابدالی سے ملے۔ ملے میں کوئی حرج نہیں... سلام دعا کر لیجئے گا۔
- ☆ ایک کے بعد دوسری واردات۔ اور یہ کم بخت بھی کچھ کم بے تکی نہیں۔
- ☆ ایک بار پھر فرزند کی ایک کیلی کا فون... ایک تو یہ فرزند کی نہ جانے کتنی سیلیاں ہیں۔
- ☆ اور جب انہیں دستک کی پوچھوس ہوئی۔
- ☆ اور جب انسپکٹر جمشید کے اپنے گھر میں وہ بے تکی واردات ہوئی۔
- ☆ فرزند کیلی کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچی تو سیکورٹی کارڈز غائب تھے
- ☆ انسپکٹر جمشید کو جانا کہیں تھا، پہنچ کہیں اور گئے۔ ہے کوئی تک۔
- ☆ اکرام نے جو بھی دروازہ کھولا، ایک خوفناک دمکا کا ہوا۔
- ☆ مجرم بہت دور کمرے ان پر نہیں رہے تھے۔

”لیکن کیا؟“ آفتاب جھنجھلا کر اس کی طرف پلٹا۔

”لیکن... میرا مطلب ہے کہ وہ بیچارہ کہاں گیا؟“ فاروق نے

کچھ اس انداز میں پوچھا کہ سب چونک اٹھے۔

”کس بیچارے کی بات کر رہے ہو؟“ آفتاب نے اسے گھورا۔

”بے چارے سہرے کی۔“

”دھت تیرے کی۔“ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

”میرا خیال ہے... اس مرتبہ ہم بھی ایک ایک سہرا اپنے اپنے

سر پر باندھ لیتے ہیں تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بیجے بانسری۔“

پروفیسر داؤد کے اس فیصلے پر سبھی مسکرائے گئے۔

”پروفیسر انکل... آپ بھی سہرا باندھیں گے؟“ آفتاب نے

بوکھلانے کی ایکٹنگ کی۔

”کیوں بھئی... تمہیں کوئی اعتراض ہے کیا؟“ پروفیسر داؤد نے

اسے گھور کر دیکھا۔

”نہیں بھلا مجھے کیا اعتراض...“ اس بار آفتاب جج جج بوکھلا گیا۔

پروفیسر صاحب نے قاتحانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

ان سب کی مسکرائشیں اور بھی گہری ہو گئی۔